

زیر سر پرستی

حضرت مولانا محمد فراز خان صدر
حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

رئیس اخیر

ابو شمار زادہ الرشیدی

ہدایہ

حافظ محمد غفار خان ناصر

مدیر تنظیم

ناصر الدین خان عامر

وزیر معاون

سالانہ ایک سو ۲۰۱۳ پے
فی پرچہ در
بیرون ممالک سے
دی امریکی ڈا رسالانہ

خط و کتابت کے لیے

مرکزی جامع مسجد
پوسٹ بکس 331 گوجرانوالہ
فون فیکس

92 431 219663

ای سیل

director@alsharia.net

ویب ایٹریکس

www.alsharia.net

ماہنامہ

الشريعة

جلد : ۱۲ ○ اکتوبر ۲۰۰۱ء ○ شمارہ : ۱۰

فہرست

۲	رئیس اخیر	کلمہ حق
۱۷	اختلاف رائے کے آداب	مولانا قاری محمد طیب
۱۸	امریکہ میں دہشت گردی	پروفیسر انعام الرحمن
۲۰	پاکستانی معاشرے کی خلائقی تقسیم	ڈاکٹر اسرار احمد
۲۲	معنوں کے احکام و مسائل	عمار ناصر
۲۴	پاکستان کے نظام حکومت میں خرابی	ڈاکٹر زاہد عطا
۲۶	مولانا سعید احمد خان - چندیادیں	مولانا محمد عیسیٰ منصوری
۲۷	پروفیسر خالد ہمایوں کا مکتب گرامی	
۲۹	علماء کرام و ائمہ مساجد سے اخیل	

امریکی عزم اور پاکستان کا کردار

۲۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو مسجدِ امن پاکستان پر ۹۱ اہور میں ایک عمومی نشست سے مدیر "الشرعیہ" کا خطاب

بعد الحمد والصلوة

محترم بزرگوار دوست! اس وقت پوری دنیا میں ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک اور واشنگٹن میں ہونے والے حادثات اور ان میں ہزاروں جانوں کے ضائع ہو جانے کے بعد اس پر امریکہ کے رویل اور اس سے پیدا شدہ صورت حال پر بحث کا سلسہ جاری ہے اور میں بھی اسی حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

نیویارک کے ورلڈ تریڈ مسٹر اور واشنگٹن کے پنٹا گون سے اخواشہ طیاروں کے لکراتے سے جو عظیم جانی و مالی نقصان ہوا، اس سے سب لوگوں کو دکھ ہوا ہے لیکن امریکہ نے اس کی ذمہ داری عرب مجاهد اسامہ بن لادن پر ڈال کر اس کی آڑ میں افغانستان پر حملہ کرنے کا جو اعلان کیا ہے، اس سے صورت حال میں اور کشیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ افغانستان کی طالبان حکومت سے امریکہ کا مطالبہ ہے کہ وہ اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کر دے مگر طالبان حکومت کا موقف یہ ہے کہ امریکہ کے پاس کوئی ثبوت ہے تو پیش کرے۔ اس کے مطالبہ پر غور کیا جائے گا۔ محض شک یا الازم پر وہ ایک مجاهد کو، جو ان کا مہمان ہے، امریکہ کے سپرد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی افغان علاجی مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسامہ بن لادن اپنے طور پر افغانستان چھوڑ دیں مگر انہیں امریکہ یا کسی اور ملک کے سپرد کرنے کا سوال نہیں پیدا نہیں ہوتا۔ طالبان حکومت کا یہ موقف بہت پرانا ہے اور اس سے پہلے بھی امارتِ اسلامی افغانستان کی حکومت کی طرف سے کہا جا چکا ہے کہ اسامہ بن لادن رضا کارانہ طور پر افغانستان سے چلے جائیں تو ان کی مریضی ہے مگر انہیں بطور ملزم کسی ملک کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ افغان علاجی مجلس شوریٰ نے ہی بات اب ذرا مختلف انداز میں کی ہے اور اسی سے وقتی طور پر کشیدگی میں کسی حد تک کمی کے آثار پیدا ہوئے ہیں مگر امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بوش نے آج امریکی ایوان نمائندگان سے خطاب کرتے ہوئے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ مسئلہ صرف اسامہ کا نہیں بلکہ وہ دہشت گردوں کے نیت و رک کو توڑنا چاہتے ہیں اور دنیا بھر میں دہشت گردوں کے تمام مراکز کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ امریکہ کے نزدیک عالمِ اسلام کی جہادی تحریکات دہشت گرد ہیں اور جب وہ

دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کی بات کرتا ہے تو اس سے مراد یہی جہادی تحریکات ہوتی ہیں جو مرکش سے انہوں نیشاں تک اور تھینا سے صومالیہ تک پھیلی ہوئی ہیں اور کشمیر، فلسطین، تھینا اور مورو سیت مختلف علاقوں میں مسلمانوں کو غاصب اور مسلط قوتوں سے نجات دلانے کے لیے عسکری جدوجہد کر رہی ہیں۔ امریکہ اور اس کے دو ایوں کا کہنا ہے کہ ان سب دہشت گردوں نے افغانستان میں ٹریننگ حاصل کی ہے، اس لیے افغانستان کو بتاہ کرنا ہر یک کے لیے ضروری ہو گیا ہے اور اسی ہدف کو حاصل کرنے کے لیے امریکہ بھر پور جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ہم پہلے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ اسامہ بن لاون کا نام صرف بہانہ ہے، اصل مسئلہ جہادی تحریکات ہیں جو امریکہ اور اس کے حواری ممالک کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہیں اور اب صدر بیش نے صاف طور پر تمام جہادی تحریکات کے خاتمہ کو پناہ سے بے ہدف قرار دے کر ہمارے ان خدمتات کی تقدیم کر دی ہے۔

مگر اس میں تم ظریفی کی بات یہ ہے کہ امریکہ افغانستان پر صلح کے لیے ہمارے کندھے پر بندوق رکھنا چاہتا ہے اور پاکستان کی زمین اور فضا سے حملہ آور ہو کر امارت اسلامی افغانستان کی طالبان حکومت کو ختم کرنے کے درپے ہے اور مزید تم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے ارباب اختیار امریکہ کو افغانستان پر حملہ کے لیے زمین اور فضائی سرویس فراہم کرنا چاہتے ہیں اور اسے اسلام اور پاکستان کے مقاد کا تقاضا بتا رہے ہیں۔ صدر پاکستان جزل پر ویز مشرف صاحب نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے جس طرح افغانستان پر حملہ کے لیے امریکہ کے ساتھ تعاون کی پالیسی کا دفاع کیا ہے، وہ انتہائی حیران کن ہے اور میں اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔

صدر محترم نے جناب نبی اکرم ﷺ کی سرست طیبیہ کا حوالہ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کے یہودیوں سے صلح کا معابدہ کر کے کفار مکہ کے خلاف احمد اور خندق کی جنگیں لڑی تھیں جبکہ اس کے بعد مدینہ میں کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا معابدہ کر کے خیر میں یہودیوں سے جنگ جتنی تھی اس لیے یہ عین حکومت اور والش کا تقاضا ہے اور سدت نبوی کی پیروی ہے۔ لیکن جزل صاحب کا یہ استدلال درست نہیں ہے اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے دونوں قومیں کافر تھیں اور دونوں دشمن تھے۔ ان سے بیک وقت لڑنے کے بجائے حضور نے ایک وقت میں ایک دشمن سے صلح کرنے اور دوسرے دشمن کے خلاف جنگ لڑنے کی حکمت عملی اختیار فرمائی جو فی الواقع داشت مندرجہ کی بات تھی لیکن یہاں ایک طرف امریکہ ہے جس کی مہربانیاں نصف صدی سے ہم بھگت رہے ہیں اور دوسری طرف طالبان کی اسلامی حکومت ہے جس کی باقی تمام باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی یہ حقیقت ہے کہ کابل میں طالبان حکومت کا وجود ہی پاکستان کی شمال مغربی سرحد کے تحفظی کی ضمانت ہے۔ اس لیے اس صورت حال پر جناب نبی اکرم ﷺ کی مذکورہ حکمت عملی کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا اور اسے غلط نہیں یاد ہو کر کے عنوان سے ہی تisper کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں اسلام کی تعلیم کا تاریخ کے اس عظیم واقعہ سے پتہ چلتا ہے جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ فوجیں ایک دوسرے کے خلاف صفو آرائیں اور دونوں ایک دوسرے کو شکست دینے کے درپے تھے۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی سیکی سلطنت روم کے پادشاہ قیصر نے حضرت معاویہؓ کو پیش کش کی تھی کہ حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں وہ ان کی مدد کر سکتا ہے مگر حضرت معاویہؓ نے اسے انتہائی بخشنی کے ساتھ رد کر دیا اور وہ جواب دیا جو اسلامی تاریخ کا روشن باب اور قیامت تک آنے والے مسلم حکمرانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ انہوں نے قیصر روم کے ہام اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

”میری حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ دیہائیں کی لا اُنی ہے جس سے تمہیں فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیا جائے کا اور اگر تم نے حضرت علیؓ کے خلاف فوج کشی کی تو تمہارے مقابلے میں حضرت علیؓ کے پر پم تکے سامنے آنے والا سب سے پہلا سپاہی معاویہ ہو گا۔“

یہ اس کیفیت کی بات ہے جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں تھے جنگ ہماری طالبان کے ساتھ کوئی جنگ بھی نہیں ہے اس لیے ہمارے لیے اسلام کی تعلیم یہی ہے جو حضرت معاویہؓ نے قیصر روم کے نام اپنے خط میں بیان فرمائی ہے۔

جزل صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ہم نے امریکہ کو جملے کی سہوتیں فراہم نہ کیں تو بھارت ایسا کر دے گا اور پھر امریکہ بھارت کے ساتھ ہو جائے گا جس سے ہمارے شہر کا زکون نقصان پہنچے گا۔ میرے نزدیک یہ انتہائی بھولپن ہے اور یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جو امریکہ کو جانتا نہیں ہے۔ امریکہ کے بارے میں یہ موقع رکھنے خود فرمی ہے جس کا شکار ہم سے پہلے ہمارے عرب بھائی ہو چکے ہیں۔ ہمارے برادر عرب ملکوں نے اسی موقع اور امید پر امریکہ دوستی کا پرچم اٹھایا تھا کہ اسرائیل کے مقابلے میں امریکہ ان کا لاملا کرے گا اور ان کے امریکہ کا ساتھی ہے سے اسرائیل اور عربوں کے حوالے سے امریکہ کی پالیسیوں میں توازن قائم ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اور ساری دنیا یہ مظہر دیکھ رہی ہے کہ امریکہ نے اپنی فوجیں سعودی عرب اور کویت میں بھار کی ہیں اور پشت پناہی اسرائیل کی کر رہا ہے۔ وسائل عربوں کے استعمال کر رہا ہے اور تحفظ اسرائیل کو فراہم کر رہا ہے اس لیے ہمارے مہر ہاؤں کو یہ غلط فتنی ڈھن کے نکال دینی چاہئے کہ امریکہ پاکستان میں بیٹھ جائے گا تو بھارت کے مقابلے میں پاکستان کی حیات بھی کرے گا اور پاکستان میں اس کی موجودگی سے پاکستان کے شہر کا زکون کوئی فائدہ بھی پہنچے گا۔ پھر یہ بات میری بحث سے بالاتر ہے کہ جب امریکہ کے بقول وہ جہادی تحریکات کا خاتمہ کر دے گا، پاکستان کو افغانستان سے لزادے گا اور جنمن کے سر پر فوجیں بھا کر پاک چین تعلقات میں رخت پیدا کر دے گا تو پھر کون سا کشیر کا ز باقی رہ جائے گا یہ بچانے کی ہمارے حکمران گلر کر رہے ہیں؟ ”کشیر کا ز“ اگر ہے تو وہ مجاهدین کی قربانیوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے

ہزاروں شہدا کا نون دے کر اسے زندہ رکھا ہوا ہے۔ جب یہ مجاہدین اور ان کے گروپ ہی دہشت گرد قرار پا کر پاکستان کے ہاتھوں امریکی انتقام کا نشانہ بن جائیں گے تو ”کشمیر کا ذرا“ کا وجد ہی کہاں باقی رہ جائے گا؟

صدر محترم کا ارشاد ہے کہ ہم امریکہ کو افغانستان کے خلاف سہوتیں فراہم کر کے اپنی ایئمی تنصیبات اور میراں پروگرام کا تحفظ کر سکیں گے مگر یہ بات بھی خود فربی ہے اس لیے کہ ہماری عکسری صلاحیت میں اضافے اور ایئمی پروگرام کے بارے میں امریکہ اب تک جو کچھ کہتا آ رہا ہے، اس کے پیش نظر ہم اس قدر فاصلے سے اپنی ایئمی تنصیبات کو امریکی مداخلت سے محفوظ تصور نہیں کر رہے تو جب وہ گودار، کوئی اور پشاور میں آبیجھے گا تو پھر ایئمی تنصیبات کے تحفظ کی گارنی کون دے سکتا ہے؟ اس لیے ہم دیانت داری کے ساتھ بحثتے ہیں کہ ہماری ایئمی تنصیبات اور میراں پروگرام کا تحفظ امریکہ کے ساتھ فاصلہ قائم رکھنے میں ہے، اسے اپنی داخلی حدود میں برآ جمان ہونے کا موقع دینے میں نہیں۔

جزل پروین مشرف صاحب نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ امریکہ کو سہوتیں دینے کی پالیسی سے ہمیں معیشت کو سنبھالا دینے میں مدد ملے گی اور ہمارے معافی حالت سدھ رہ جائیں گے۔ میں اس کے جواب میں صرف یہ عرض کرنا پاہتا ہوں کہ یہ بات ان عرب ممالک سے دریافت کر لیجئے جن کے کندھے پر دس سال سے امریکہ سوار ہے اور اس نے وہاں اپنی فوجیں بخراکی ہیں کہ امریکہ بہادر کی تشریف آوری اور اس کی فوجوں کی آمد سے ان کی معیشت کو کتنا ہمارا ملا ہے؟ ان میں سے سعودی عرب کی حالت آج یہ ہے کہ جیل کی دولت سے ملامال اس ملک کو اپنا بجٹ کا خسارا پورا کرنے کے لیے عمرہ جیسی عبادت کو برقیس کے حساب سے ڈیل کرنا پڑ رہا ہے اور قریبے لینے کے لیے مجبور ہونا پڑا ہے اس لیے ہمارے نزدیک یہ بات بھی خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے کہ امریکہ کو افغانستان کے خلاف فوجی سہوتیں دینے سے پاکستان کی معیشت سدھانے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

حضرات محترم! میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امریکہ کے اصل مقصد کو پیچا نہیں اور اس کا اور اس مامل کرنے کی کوشش کریں۔ میرے نزدیک امریکہ کے موجودہ عالمی کردار اور بھاگ دوز کے بنیادی مقاصد تین ہیں:

ایک یہ کہ دنیا بھر کی جماداتی تحریکات کو دہشت گردی کا نام دے کر ختنی کے ساتھ کچل دیا جائے اور افغانستان کو اس تمام تر دہشت گردی کا سرچشمہ قرار دے کر طالبان حکومت کو ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ اپنی مرضی کی حکومت ملکی جائے۔

دوسرے مقصد یہ ہے کہ پاکستان اور افغانستان میں فکری ہم آہنگی اور نظریاتی یا گفتگو کے فروع کو دستی ایشیا بکھیت سے روکا جائے۔ ان اثرات کے وسیع ہونے کے امکانات کو سامنے رکھ کر یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ یہ خط اگر

دوبارہ اکٹھا ہو گیا تو بہت بڑی قوت بنے گا اور اسے بھارتی طقوں میں "مغل امپریز" کے زندہ ہونے سے تعبیر کیا جائے رہا ہے اور اسے روکنے پر امریکہ اور بھارت دونوں متفق ہیں جس کی واحد صورت پاکستان اور افغانستان کی دوستی کو توڑنا ہے اور امریکہ اسے توڑنے کے لیے پاکستان کو افغانستان کے خلاف حملوں میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔

امریکہ کا تیسرا مقصد چین کے خلاف حصار قائم کرنا اور پاکستان میں بینہ کر پاک چین دوستی میں رخنے والے ہے تاکہ چین اور پاکستان دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے قابل نہ رہیں اور امریکہ ان کے حوالے سے آسانی کے ساتھ من مانی کر سکے۔

ان حالات میں آپ خود سوچ لیں کہ جب خدا نخواست پاکستان کے تعلقات چین اور افغانستان دونوں کے ساتھ خراب ہو جائیں گے اور مجاہدین کے گروپوں کو بھی دہشت گرد قرار دے کر خود پاکستان کے ہاتھوں گراوئنڈ کر دیا جائے گا تو فلٹے میں خود پاکستان کی حیثیت کیا رہ جائے گی اور کیا کل کوئی صاحب یہ کہنے کے لیے کھڑے نہیں ہو جائیں گے کہ کشمیریوں کے ساتھ ہمیں بہت ہمدردی ہے اور ہمیں ان کی فکر بہت زیادہ ہے لیکن خود پاکستان کی ملکت ہمارے لیے سب سے مقدس ہے اس لیے کشمیریوں کو بھول جائیے اور پاکستان کے وجود کا تحفظ کیجئے۔

محترم بزرگ اور دوستو! میں نے حالات کا نتھ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور میری آپ سے گزارش ہے کہ صحیدگی کے ساتھ اس صورت حال کا جائزہ ہیں۔ یہ اسلام کے مفاد کی بات ہے، پاکستان کی سلیمانی کا مسئلہ ہے اور طالبان کی اسلامی حکومت کے مستقبل کا سوال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک کی دینی جماعتیوں نے اس مسئلے میں جو موقف اختیار کیا ہے، وہ بالکل درست اور ملک و ملت کے مفاد کا تقاضا ہے اس لیے سب دوستوں کو چاہئے کہ وہ اس ناگزیر تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

اختلاف رائے کے آداب

کسی عالم سے فرض کیجئے کہ آپ کسی مسئلے میں مختلف ہو جائیں یا دوسرا عالم آپ سے مختلف ہو جائے تو مسئلے میں اختلاف کرنا تو جائز ہے جب اپنے کو دیانتاً علی التحقیق سمجھ لیں گے اور تفسیر کرنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے کیونکہ بے ادبی اور تفسیر کرنا دین کا انفصال ہے اور اختلاف کرنا محبت ہے، یعنی دین ہے۔ دین جائز ہے اور خلاف دین جائز نہیں۔ اختلاف رائے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر ذاتی رائے اور مشورہ ہو تو انہیاء میں ہم الاسلام سے بھی آدمی رائے میں مختلف ہو سکتا ہے۔ احکام اور امر کا جہاں تک تعلق ہے، اختلاف اور رائے زنی جائز نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”کسی مومن اور مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب حکم آجائے اللہ اور رسول ﷺ کا تو پھر اس کے ساتھ چوں چاکی جائے۔“

تو جہاں تک احکام دین کا تعلق ہے، رسول اللہ ﷺ تبلیغ فرمادیں تو تالیب بھی جائز نہیں، چچا یا چکر قبول نہ کرے۔ لیکن اگر رسول ﷺ فرمائیں کہ میری ذاتی رائے یہ ہے تو اگر آدمی نہ مانے تو اس پر کوئی الزام و ملامت نہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اختلاف رائے اگر اہل اللہ اور علماء میں ہو جائے تو مضاائقہ نہیں لیکن بے ادبی یا تذلیل کی حالت میں جائز نہ ہوگی اس لیے کہ وہ بہر حال عالم دین ہے جس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں مگر اس کا مقام پسپت ابطور نہ اپ رسول ﷺ کے ہے، اس کی عظمت و احتجاب ہوگی۔ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پچاسوں مسئلوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں، مگر ادنیٰ درجے کی بے ادبی قلب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں آتی اور جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واجب اتعظیم ہیں، ویسے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ دونوں آفتاًب و ماهتاب ہیں۔ دونوں سے نور اور برکت حاصل ہو رہی ہے۔ کسی طرح جائز نہیں کہ ادنیٰ درجے کی گستاخی دل میں آجائے۔

گستاخی جہالت کی علامت ہے

گستاخی اور استہزا کرنا جہالت کی بھی علامت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو نصیحت کی اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہو جائے گا اگر بقرہ (گائے) ذبح کر کے اس کا گوشت اس سے چھوڈ دیا جائے تو اس پر پنی اسرائیل کتبے ہیں کہ :اتخذنا هزو؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ اس بات میں کیا تعلق ہے کہ گوشت سے مردے کو جلا دیا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اعوذ بالله ان اکون من المجاهدین۔ اللہ سے پناہ مانگ لیوں کہ جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔ یعنی دل لگی اور تفسیر جاہلوں کا کام ہے۔ عالموں کو مناسب نہیں کہ تمفسیر کریں اس لیے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ تو ایک ہے رائے کا اختلاف اور کسی عالم سے مسلک کا اختلاف اور ایک ہے بے ادبی۔ بے ادبی کسی حالت میں جائز نہیں، اختلاف جائز ہے۔

حضرت مولانا تحانویؒ اور مولانا احمد رضا خانؒ

میں نے مولانا تحانویؒ کو دیکھا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم سے بہت سی چیزوں میں اختلاف رکھتے۔ قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا۔ مگر جب مجلس میں ذکر آتا تو فرماتے، ”مولانا احمد رضا خان صاحب“۔ ایک دفعہ مجلس میں مجھے والے شخص نے کہیں بغیر ”مولانا“ کے ”احمد رضا خان“ کہہ دیا۔ حضرت نے ذائق اور خنا ہو کر فرمایا، عالم تو ہیں۔ اگر چہ اختلاف رائے ہے، تم منصب کی بے حرمتی کرتے ہو، یہ کس طرح جائز ہے؟ رائے کا اختلاف اور چیز ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کو ہم خطا پر سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے مگر ان کی تو ہیں اور بے ادبی کرنے کا کیا مطلب؟

مولانا تحانویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے ”مولانا“ نہ کہنے پر برا مانتا۔ مولانا تحانویؒ رحمۃ اللہ علیہ اہل علم میں سے تھے۔ وہ تو نام بھی کسی کا آتا تو ادب ضروری سمجھتے تھے، چاہے بالکل معاف نہیں کیوں نہ ہو، مگر ادب کا رشتہ با تھے سے نہ پھونٹا چاہیے۔

کفر کا فتویٰ لگانے والوں سے مولانا نتوتویؒ کا سلوک

میں نے حضرت مولانا محمد قاسم نتوتویؒ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا کہ دہلی میں قیام تھا۔ حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تواندہ ساتھ تھے۔ شیخ البیان حضرت مولانا تکمود الحسن، دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن امر و ہوئی، حاجی امیر شاہ

خان صاحب مرحوم، یہ بھی وہاں موجود تھے۔ مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ نے اپنے ہم جو لیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ مجھ کے جو امام ہیں، ان کی قراءت بہت اچھی ہے۔ کل صحیح کی نمازان کے پیچے پڑھ لیں۔ شیخ البند نے غصے میں آ کر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی ہے غیرت، وہ ہمارے حضرت کی محظیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچے نماز پڑھیں گے؟ اور بڑا سخت لبجہ اختیار کیا۔ یہ بتعلیٰ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کام میں پہنچے۔ اگلے دن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان سب شاگردوں کو لے کر اسی مسجد میں صحیح کی نماز پڑھنے کی خاطر پہنچے، اس امام صاحب کے پیچے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا۔ چونکہ یہ ابھی تھے، نمازوں نے دیکھا کہ ہیں تو علماء صورت تو پوچھا کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ مولانا محمد قاسم ہیں اور وہ ان کے شاگرد شیخ البند مولانا محمود الحسن اور یہ مولانا احمد حسن محدث اور ہوئی ان کے شاگرد ہیں۔ امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن ان کو کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لیے میرے پاس آ گے۔ امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا کہ حضرت، میں آپ کی محظیر کرتا تھا، میں آج شرمند ہوں۔ آپ نے میرے پیچے نماز پڑھی، حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا۔ حضرت نے فرمایا، کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس جذبے کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں توہین رسول ﷺ کرتا ہوں تو آپ کی غیرت ایمانی کا بیکی تقاضا تھا۔ ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی پڑی تھی۔ فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی غیرت ایمانی کی قدر ہے، ہاں شکایت اس لیے ہے کہ ایک بار تحقیق کر لیتے کہ خیر صحیح ہے یا غلط۔ تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرۃِ اسلام سے خارج کر دیتے ہوں جو ادنیٰ درجے میں بھی نبی ﷺ کی توہین کرے اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں؛ اشهاد ان لا اللہ الا اللہ۔ اب امام بے چارہ قدموں میں گر پڑا، بچھا جاتا ہے۔

تو بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں تواضع نہ اور ادب میں اللہ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شانہ بن رہا تھا۔ استہزا اور تمسخر تو بجا ہے خود غلط ہے، اپنے معاندوں کی بھی بے قدری نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح محمل پر اتار کر یہ کہتے کہ جو تمہیں کافر کہتے ہیں، یہ ان کی قوت ایمانی کی دلیل ہے۔ البتہ تحقیق کر لئی چاہئے کہ واقع میں ہم توہین رسول ﷺ کرتے ہیں؟ ہم معاذ اللہ دشمنان رسول ﷺ ہیں یا دوستان رسول ﷺ؟ اس کی تحقیق ان کو واجب تھی، باتفاق حکم نہیں لگانا چاہئے۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور تادب دین کی بنیاد ہے جس کو عارف روی نے کہا ہے:

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم گشت از فعل رب

حق تعالیٰ شانہ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں جو گستاخ اور بے ادب ہے۔ اس زمانے میں چونکہ بے ادبی اور گستاخی کے جذبات پیدا ہو چکے ہیں، فرقہ بندی زیادہ ہو گئی ہے، ایک دوسرے کے حق میں زبان طعن و ملامت اور تربان تصحیح کھولنا بہت معمولی بات ہن گئی ہے، اس واسطے میں نے یہ سمع خراشی آپ لوگوں کی کسی کرکسی عالم سے اختلاف آبھی جائے تو اگر آپ خود عالم ہیں تب آپ پر فرض ہے کہ دوسرے کا احترام کریں اور اگر آپ مشن ہیں تو اور وہ اقتدار رہا ہے دوسرے عالم کی، تو عمل تو اپنے مقتداً و متبوع کی تحقیق پر کریں مگر دوسرے کے ساتھ تمثیل کرنا، آپ کے حق میں بالکل جائز نہیں بلکہ آپ یہ تاویل کریں کہ اس کے ہاتھ میں بھی جمٹ ہے جو ہماری بھروسہ میں نہیں آتی۔ یہ وہ کہتا ہے، عند اللہ وہ بھی مقبول ہے۔ ہر مجتہد خطاب بھی کرتا ہے اور اس پر عتاب اور عذاب بینجنے لگیں تو یہ خدا کا مقابلہ ہو گا۔ حق تعالیٰ کے ہاں اجتہاد کی خطاب پر بھی ملامت نہیں۔ آج کل فروعی اختلافات کی وجہ سے تمثیل بڑھ گیا ہے۔ یہ دین کے منافی ہے۔ بے شک آدمی عمل اپنی تحقیق پر کرے اور دوسرے کو مغذی و رکھے۔ ادب اور احترام میں کیون آئے دے، یہ دانتی کی بات ہے۔

اممہ مجتہدین کا باہمی طرزِ عمل

اممہ مجتہدین کا بھی سیکھی طریقہ ہے کہ ایک دوسرے سے ظاہری اختلاف رکھتے تھے لیکن ادب اور عقائد میں کوئی نہیں کرتے۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد اور شریف لائے تو امام ابوحنیف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو امام صاحب کا مسلک ہے کہ نماز میں فاتحہ کے بعد آمین آہست سے کہنا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زور سے کہنا افضل و اولی ہے مگر جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مزار ولی مسجد میں نماز پڑھی تو آمین کو آہست سے پڑھا۔ فرمایا، مجھے حیا آتی ہے اس صاحب مزار سے کہ اس کے قریب آ کر اس کے اجتہاد کے خلاف کروں۔ یہ ادب تاذب ہے یعنی جس حد تک گنجائش ہو۔ ایک تو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا فرق ہے کہ ایک کے ہاں جائز دوسرے کے ہاں حرام۔ اس میں تو دوسرے کے مسلک پر عمل نہیں کر سکتے مگر جہاں اولیٰ وغیر اولیٰ کا فرق ہے، وہاں ادب طخوڑ کھا جاسکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے افضل پر عمل ترک اور غیر افضل پر عمل کیا امام صاحب کی رعایت سے، حالانکہ امام ابوحنیف رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مزار میں ہیں، سامنے نہیں ہیں مگر یہ ادب کا عالم تھا اور یہ ادب تاذب کی بات تھی۔

مسائل اور جذباتِ نفسانی

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی اختلافات تھے۔ ائمہ مجتہدین میں اجتہادی مسائل میں برا اختلافات ہیں، وہ صحابہ میں بھی تھے لیکن باوجود اس کے ادب و احترام اور عظمت و قیمت میں ذرہ برا بر کی شد کی۔ اس لیے ہمارے ہاں جائزوں کی وجہ مسائل کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہمارے نفسانی جذبات ہیں۔ ہم نے اپنے جذبات کو نکالنے میں مسائل کو آڑ زبانہ کر رکھا ہے۔ اگر یہ مسائل کی خاصیت ہوتی تو سب سے پہلے صحابہؓ لڑتے کیونکہ ان کے ہاں بھی اختلاف تھا۔ اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے ہاں اٹھی چلتی، پھر علماء ربانیم آپس میں لڑتے۔ کر اختلاف بھی ہے اور ادب بھی۔ یہ دراصل اختلاف رائے کے نام سے ہم اپنے جذبات نکالتے ہیں اور میں تو کہا کرنا ہوں کہ لڑنے کی چیز اصل میں جائیداد ہے، مکان ہے، جا گیر ہے۔ جب مسلمان کے پاس یہ چیزیں نہ رہیں، نہ پانیادا، نہ مکان، نہ سلطنت تو سوچا کہ بھی دین کو لڑنے کا ذریعہ بناؤ اور مسائل کو آڑ زباناؤ۔ تو یہ مسائل کی خاصیت نہیں۔ اختلاف کرنے کی گنجائش ہے کہ لڑنے جائز نہ کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کے فروعی اختلاف پر عیسائی بحق کاظم

ایک عرصہ پہلے ایک یورپیین یسائی کلکٹر تھا۔ اس کے زمانے میں احتفاف اور اہل حدیث میں لڑائی ہوئی "آمن" کہنے پر۔ خپلوں نے آہستہ پڑھی، اہل حدیث نے زور سے کہی تو اٹھی چل گئی۔ بہت سے لوگوں کا سروٹ لیا۔ مقدمہ کلکٹر کے ہاں گیا۔ فریقین کے وکالے کلکٹر کو مقدمہ سمجھایا تو اس نے کہا کہ بھی "آمن" کوئی جائیداد ہے بلکہ لگ ہے کہ اس پر لڑتے ہیں؟ وکالے کہا، نہیں۔ "آمن" ایک قول ہے جو زبان سے نکالتے ہیں۔ یہ یوں کہتے ہیں کہ غیر سلسلۃ سے حدیث آئی ہے کہ "آمن" زور سے کہو، دسرے کہتے ہیں کہ حدیث آئی ہے کہ آہستہ پڑھو۔ اس نے کہا، جس کو وجود حدیث معلوم ہے، اس پر عمل کرے، لڑتے کیوں ہو؟ اور اس کی سمجھی میں یہ بات نہ آئی اور سمجھی نہ آئے والی بات بھی نہ تھی۔ بہر حال، اس نے بزاداں مندانہ فیصلہ لکھا کر مقدمہ کی مثل دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاں "آمن" کی تین قسمیں ہیں۔ ایک "آمن بالآخر" یعنی زور سے پڑھنا۔ ایک "آمن بالسر" یعنی آہستہ پڑھنا۔ اور ایک "آمن بالرش" یعنی جائز نہ لڑنے کے لیے پڑھنا، لہذا میں دونوں کو سزا دیتا ہوں۔ گویا اس نے بتایا کہ اختلافی مسائل نہ لڑائی کے لیے ہوتے ہیں نہ باہمی نزع کے لیے۔ وہ دیانتا جنت سے رائے قائم کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ تو یہ ہمارے قلوب کا فساد ہے کہ ہم نے مسائل کو اپنے دل کے جذبات نکالنے

کی آڑ بیالا ہے اور ہر دین کا مسئلہ جھگڑا ادا لئے اور گردہ بندیوں کے لیے رہ گیا ہے۔

اختلافی مسائل میں راہ صواب

اگر اجتہادی مسئلہ ہے تو اسے بیان کرو، گرزاں کیوں ہے؟ وہ اپنی قبر میں جائے گا اور تم اپنی قبر میں جاؤ گے۔ کیونکہ اس سے مخزگی کرو اور اسے کیا حق ہے کہ تمہارا استہزا کرے۔ آپ نے بیان کیا، امر بالمعروف کا حق ادا ہو گیا۔ اب اگر کوئی بات نہیں مانتا تو نہ مانے۔ اگر اس کے پاس کوئی بحث ہے تو وہ عند اللہ جواب دے گا۔ تم ذمہ دار نہیں ہو نہ تم سے آخرت میں پوچھا جائے۔ اور پھر دین منوانہ (یعنی اسول دین پر کسی کو مجبور کرنا) بھی ضروری نہیں، چہ جائیکہ فروعی اور اجتہادی مسائل کا منوانا ضروری ہو۔ بہر حال آن کل ذرا ذرا راستے اختلافی مسائل پر لوگ نہ اٹھ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی قوت زائل ہو رہی ہے۔

ایک شخص اجتہادی رائے کے بارے میں اتنا بحث کرے کہ کسی کو مذکور بھی نہ سمجھ سکے، یہ درحقیقت عوام کی اسلامی نہیں، خدا ہے۔ تو ایک چیز چلانے کی ضرورت نہیں کہ بار بار کہے۔ اس ہو گیا ایک مسئلہ کا اعلان۔ مانے والے مانیں گے، تم ذمہ دار اور خدائی حکیم کار نہیں ہو۔ ایک مسئلہ کا ضد اور اصرار کے ساتھ چیز کرتے رہتا اور چباتے رہتا، اس سے خواہ توہاہ عوام میں نہ اعسات پیدا ہوتے ہیں۔ کہنے والا تو نجیگیا اور مصیبت عوام پر آگئی۔ ہاں ایک ہیں دین کے اصول۔ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوہ دینا فرض ہے۔ آپ زور سے کہہ سکتے ہیں لیکن فروعی اور اجتہادی چیزوں میں آپ زور دیں؟ تو یہ تبلیغی چیزیں ہی نہیں، آپ زور کہاں سے دیتے ہیں؟ مشاعر اخلاقی مسائل ہیں جو تبلیغی مذہب ہی نہیں۔ آپ اشیع پر کھڑے ہو کر کہیں کہ لوگوں تم شافعی بن جاؤ، حنفی مت بنو۔ یہ ترجیحی مذہب ہیں، تبلیغی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں عمل واجب یا فضل ہے اور فلاں عمل نہیں۔ تو ترجیحی مذہب کو تبلیغی مذہب مت بناو کا اگر کسی عالم کی کوئی جزوی تحقیق ہو، خواہ توہاہ اس کی تبلیغ پر ضد اور اصرار کیا جائے۔

بہر حال آج کل یہ چیز پیدا ہو گئی ہے۔ بہت گستاخی، جسارت اور جرأت ہو رہی ہے۔ اس واسطے یہ چد باتیں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے عمل کی۔ اللهم افتح لنا بالحیر و احتم لنا بالحیر۔

امریکہ میں دہشت گردی

محرکات، مقاصد اور اثرات

امریکہ میں حالیہ دہشت گردی کے واقعات میں کون ملوث ہے، یہ واقعات کس کے ایسا پر ہوئے، ان کے محرکات اور مقاصد کیا ہیں، اور ان واقعات سے کیا تباہ ہر آمد ہو سکتے ہیں؟ یہ چند سوالات ہیں جو آج کل اقتصادی بارہنگان میں پیدا ہو رہے ہیں۔ آئیے اس ضمن میں چند امکانات پر غور کریں۔

کیا یہ دہشت گردی اسامہ بن لاڈن اور مسلمانوں کی طرف سے کی گئی ہے؟ لیکن ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔

اس کی وجہات یہ ہیں:

(۱) امریکی سکیورٹی کے فول پروف انتظامات میں سے محلے کے لیے ایک ہی ممکن راستے کو تلاش کر لینا مسلمانوں سے بس کی بات نہیں۔

(۲) مسلم تاریخ سے تھوڑی سی واقعیت رکھنے والا شخص بھی یہ جانتا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی سول آبادی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ مسلم تاریخ کے مطالعہ سے مسلمانوں کی جو نیات (Psyche) ابھر کر سامنے آتی ہے، اس میں جنگ و جدل اور عسکریت کی موجودگی کے باوجود ایسے کسی رجحان کی علامت نہیں ملتی۔ ہمیں اعتراف ہے کہ اسلام میں جہاد اور عسکریت غالب غصہ کے طور پر موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی حدود و قیود بھی معین ہیں۔ ایسے لوگ جو مغربی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مقدرات خواہانہ انداز سے اسلام میں عدم عسکریت تلاش کرتے ہیں اور دلائل دیں ایں کے ذہیر لگاتے ہیں، وہ اپنی فکری اپروج میں "قادیانیت" کی سرحدوں کو چھوڑ رہے ہیں۔

کیا حالیہ دہشت گردی میں جاپان ملوث ہو سکتا ہے کہ اس نے دوسری عالمی جنگ کا بدله لینے کی کوشش کی ہو؟

خواہی سلسلہ پر امریکہ مختلف جذبات کے باوجود جاپانی حکومت کی امریکہ نوازی سے ایسی کسی حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگرچہ محلے کا خود کش انداز جاپانی انداز سے ملتا جلتا ہے لیکن ایک تو امریکہ اور جاپان میں مقادلات کے حوالے سے کوئی تصادم نہیں۔ دوسرے جاپان کو اب بھی چیمن کو روکنے کے لیے امریکی مدد کی ضرورت ہے۔ اور پھر

چاپی دوسری جنگ عظیم کے بعد عملہ فوجی برتری کی جانب راغب نہیں ہوئے۔

تو کیا حالیہ دہشت گردی میں چین ملوث ہے؟ کیونکہ اس کے امریکہ سے تعلقات خاصے معاملہ انہیں ہیں۔ نیز دہشت گردی جتنے منظم اور گھرے انداز سے کی گئی ہے، وہ چینیوں کا خاصہ ہے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد امریکہ نے جس تیزی سے ایشیا میں آنے کی کوشش کی ہے، وہ اس مفروضے کے خلاف ایک ثبوت ہے کیونکہ یہ تصویر کرنا درست نہ ہو گا کہ چینی قیادت امریکی رویہ کا اندازہ نہ کر سکی ہو اور امریکہ کو اتحادیوں سمیت "چینی اثرات" کے علاقے میں اس طرح آنے اور قدم جمانے کا موقع دے۔ ویسے بھی ۱۹۳۹ء کے بعد چین کبھی ایسے واقعات میں ملوث نظر نہیں آیا۔ اس کے برخلاف امریکہ نے کئی پارچین کو جنگوں میں الجھانے کی کوشش کی لیکن چین کی مدبرانہ قیادت نے عسکری دوز اور جنگوں میں انجمنے کے بجائے معاشی ترقی کی طرف توجہ مبذول رکھی۔ مخصوص مردوں صاحب حالت میں چین کا یوں پیشتر ابدلنا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ ویسے بھی چینی قوت کا اطلباء و اثرات عالمگیر نہیں بلکہ علاقے تک محدود ہے۔ تو پھر اس واقعے کا اصل ذمدار کون ہے؟ اگر ہم واقعی بات کی تہہ تک پہنچا جائیں تو کیونکہ ہو گا کہ

(۱) دہشت گردی کے اس واقعہ سے کس نے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا؟

(۲) اگر یہ واقعہ رونما نہ ہوتا تو کے نقصان پہنچنے کا اندر یہ شدھا؟

اگر ہم ان دو باتوں کوڑہن میں رکھیں تو مجرم تک پہنچانا آسان ہو جائے گا۔ اس واقعہ کے مقاصد و مجرمات کے ذائقے بہت دور رکھنے سے علاقائی سیاست سے علاقائی سیاست تک پہنچلے ہوئے ہیں۔

عالیٰ سیاست پر نظر رکھنے والے حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ایکسویں صدی فوجی برتری کے بجائے معاشی برتری کی صدی ہے۔ جو قوم یا ریاست اقتصادی امور پر چھائی رہے گی، دنیا کی قیادت کرتی رہے گی۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ دنیا کے معاملات اگر ای رفتار سے اور اسی نسبت پر چلتے رہنے تو کس قوم کو نقصان اندر یہ شدھا؟

ماہرین معاشیات بتاتے ہیں کہ اگر دنیا کے حالات میں کوئی ڈرامی تبدیلی نہ آئے تو ایکسویں صدی میں معاشی حوالے سے چین سب سے بڑی قوت ہو گا۔ ماہرین کے مطابق ۲۰۲۵ء تک دنیا کی Output کا ۲۵ فیصد چین سے ہو گا جبکہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ تقریباً موجودہ شرح یہ برقرار رکھ کے گا جو تقریباً ۲۰ فیصد ہے۔ یورپی یونین کے ۱۵ اسلامیک، جن کی موجودہ آبادی ۵۷۳ ملین ہے اور جن کا مشترک GDP امریکہ سے تقریباً ایک ٹریلین ڈالر کم یعنی آنھے ٹریلین ڈالر ہے، یا گلے کچھ سالوں میں تقریباً ۱۵۔ ۵ فی صد کی اوسط سے بڑھے گا۔ اس طرح ۲۰۲۵ء تک یورپی یونین کا جی ڈی پی ۱۱۳ ملین ڈالر میں ڈالر کا چھپا کا جائے گا اور انہیا کا جی ڈی پی بھی یورپی یونین کے جی ڈی پی کے لگ بھک ہو گا۔ یورپی یونین میں متوقع توسعے کے پیش نظر ان کا جی ڈی پی ۲۰۲۵ء تک ۱۳۲ ملین ڈالر کا چھپا کا

ہے۔ اس طرح یورپی یونین و اتحاد طور پر تحریکی بڑی معاشری قوت کے طور پر ابھرے گا اور بھارت کا فنبر چوتھا ہو گا۔ بہرین کا خیال ہے کہ امریکہ اور یورپی یونین کے جی ڈی پی کا ۸۵ فیصد سروں سینکڑ سے آئے گا جبکہ چین اور بھارت کے جی ڈی پی کا نصف زراعت اور میتوں پیکر ہنگ سے ہو گا۔

یہ تحقیقی معاشری صورت حال۔ اس کے مطابعہ معلوم ہوتا ہے کہ اکیسویں صدی میں چین سب سے بڑی معاشری طاقت ہو گا بلند اچمن کا دارہ کاربھی "علاقے" سے بڑھ کر عالمگیر ہو سکتا ہے جس سے امریکہ کے مفادات بری طرح متاثر ہوں گے۔ نیز چین کی یہ برتری حادثاتی اور واقعی نہیں ہو گی بلکہ اس میں زراعت اور میتوں پیکر ہنگ کے پیاس فی صد کردار کی بدولت اس کی بنیادیں مضبوط ہوں گی جبکہ امریکہ کا سروں سینکڑ کسی بھی وقت بوجھ ٹھاٹ ہو سکتا ہے۔ چین اور امریکہ میں معاشری تفاوت ۲۰۲۵ تک پانچ فی صد ہو گا جو کافی زیادہ ہے اور مزید بڑھ بھی سکتا ہے۔ امریکہ مختلف نسلوں، زبانوں اور مذاہب کے لوگوں کی سرزی میں ہے۔ ان میں باہمی رہنمائیں بھی موجود ہیں۔ اس کے ملاوہ سرمایہ کا ارجمند بہت بڑھ جانے سے عموم کی اکثریت عدم تحفظ کے خوف کا شکار ہو سکتی ہے۔ ان کو دی گئی بہلوں میں کمی ہو سکتی ہے جس سے امریکہ کو اندر ورنی طور پر علیمن مسائل پیش آئتے ہیں جس سے اس کی معاشری ترقی کو تھان پہنچ سکتا ہے۔ امریکہ کا ہمسایہ وفاقی ملک کینیڈا اپنی اکائیوں کو مطمئن کرنے میں مصروف ہے۔ کینیڈا میں اڑات امریکہ کو مزید مسائل سے دوچار کر سکتے ہیں۔

میں الاقوامی رائے عامہ بھی امریکہ مخالف ہو چکی ہے۔ قوموں کے معاملات میں امریکہ کی بے اصولی نے غرب یا ہر ملک میں، کم از کم عوامی سطح پر، شدید اثرات مرتب کیے ہیں۔ مسلم ولد، چین اور اب یہاں کی بھی امریکی برتری سے خائف ہو چکے ہیں۔ عالمی سطح پر مساوات اور برادری کی باتیں ہو رہی ہیں۔ نسلی امتیاز کے خلاف ڈربن میں منعقد ہونے والی حالیہ کانفرنس میں امریکہ نے شرکت تک نہیں کی، لیکن بدلتا ہوا عالمی روایہ اکیسویں صدی میں نئے نظام کی توبید سنارہا ہے جس سے امریکہ بجا طور پر خائف ہے۔

ابھی تک میں نے ہر جگہ لفظ "امریکہ" ہی استعمال کیا ہے اور چونکہ وہاں یہ سائیوں کی اکثریت ہے، اس لیے ہزار یہاں حکومت کا بنا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ امریکہ کے سیاسی و معاشری نظام میں یہودی کلیدی اہمیت کے مال ہیں۔ امریکی پالیسیاں انہی کی مرضی سے بنتی ہیں۔ اگر امریکہ نے نسلی امتیاز کے خلاف کانفرنس میں شرکت نہیں کی تو یہ "برتر یہودی نسل" کے نظریے کا عملی اظہار ہے۔ ابھی تک امریکی پالیسی سازی میں بے پناہ اثرات رکھنے کے باوجود یہودی اب اس امر سے آشنا ہو چکے ہیں کہ امریکی عوام باخبر ہو چکے ہیں۔ اب امریکیوں کی اکثریت امریکہ سے یہودی اثرات ختم کرنا پاہتی ہے کیونکہ دنیا کے سمنے اور معلومات کی بھرماری کی وجہ سے تقریباً ہر قوم ذی شعور ہو چکی

ہے جس کی وجہ سے امریکہ تعمید کا نشانہ بنا ہوا ہے اور اس کی وجہ امریکی عوام کی رائے نہیں بلکہ یہودیوں کی بنا لی ہوئی پالیسیاں ہیں۔ یہ بات یہودی جان پرچے ہیں کہ مستقبل میں ان کے اثرات امریکہ میں کم سے کم ہوتے جائیں گے۔ پھر میں الاقوامی سطح پر مساوات اور برابری کی ماتحت ہونے کی وجہ سے اقوام متحده کو بھی چند مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سب سے اہم سلامتی کوںل کے مستقل مبردوں کی ”وینو پاڑر“ ہے۔ اب دنیا کی قومیں اور عوام چاہتے ہیں کہ یہ چودھراہٹ ختم کی جائے۔ اس کے خاتمے کی ایک صورت اس کے وینو پاڈر کرنے والے مبردوں کی تعداد میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ صورت کوئی بھی ہو، چاہے وینو پاڈر کا مکمل خاتمہ ہو یا وینو پاڈر کرنے والے مبردوں کی تعداد میں اضافہ، دونوں صورتوں میں امریکہ صرف ایک ریاست ہو گا جس کا صرف ایک دوٹ ہو گا۔ جبکہ بعض ایسے خطے جہاں یہودی اثرات موجود ہیں اور مزید بڑھ سکتے ہیں، وہاں ریاستوں کی تعداد زیادہ ہے لہذا اقوام متحده میں امریکے کے بجائے کوئی ایسا خطہ ہی یہودی معاادات کا تحفظ کر سکتا ہے تاکہ اقوام عالم ایک ریاست کی برتری کے غیر جموروں رو یہ پر تعمید کرتے ہوئے یہودی معاادات کو لفڑانہ پہنچا سکیں۔

ان حقوق کے ساتھ ساتھ حسب ذیل امور پیش نظر کیجیے:

- ۱۔ چونکہ ۲۰۲۵ء تک چین پرپاور ہو گا اور امریکہ نمبر دو ہو گا، اندر میں صورت یہودی پرپاور چین کو استعمال نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کے اثرات چین میں مختود ہیں۔ جبکہ نمبر دو طاقت یہودی معاادات کا تحفظ نہیں کر سکے گی۔
- ۲۔ چین میں یہودی اثرات نہ ہونے کی وجہ اسرائیل بھارت تعلقات بھی ہیں۔ پچھلے دس سالوں میں ان تعلقات میں بہت تیزی آئی ہے۔ اور خطے میں بھارت چین کشمکش سے کون واقع نہیں؟
- ۳۔ نئے عالمی نظام میں چین کے پرپاور بننے سے ”بے اصولی“ کو خاصاً چوپا گے گا۔ سلامتی کوںل کے مستقل مبردوں کی وینو پاڈر تعمید کا نشانہ بننے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس تعمید کو کم کرنے کے لیے پہلے مرحلے پر یہ اصول اپنایا جائے کہ وینو پاڈر کرنے والے پانچ رکن ممالک کی اکثریت سے وینو کیا جائے گا یا پھر وینو کرنے کے لیے کم از کم دو وینو پاڈر تختق ہوں۔ بہر حال موجودہ تو احمد میں تبدیلی لانی پڑے گی۔
- ۴۔ اس طرح عالمی مظہر نامے میں معاشی پہلو کے ساتھ ساتھ سیاسی اعتبار سے بھی امریکہ کمزور ہو جائے گا کیونکہ اس کا ایک دوٹ ہو گا جبکہ یورپی یونیون کے دو، اور اگر روس کو بھی شامل کر لیں تو تین۔
- ۵۔ اگر وینو پاڈر کرنے والے مبردوں کی تعداد میں اضافہ ہو تو بھارت کو ازاں شامل کیا جائے گا۔ بھارت کے اسرائیل سے دریہ نہ مرام ہیں۔
- ۶۔ اس کے علاوہ مبردوں میں اکثریت یورپ سے لی جائے گی کیونکہ یورپ کے ممالک ہی سب سے زیادہ

ترتیب یافتہ ہیں۔

اگر ہم درج بالا نکات کے میں اس طور کو ذہن میں رکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اب یہودی "شفت" کریں گے یعنی امریکہ کے بجائے یورپی یونین کو اپنے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کریں گے کیونکہ یورپی یونین کی سیاسی افادیت امریکہ کی نسبت بہت موثر ثابت ہو گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ایکسیم کے مطابق ایکسویں صدی کے لیے سیاسی طور پر تو یہودیوں کو ایک بڑا مضبوط پلیٹ فارم یورپی یونین کی صورت میں مل جائے گا لیکن یہودی معاشری امور پر کیسے کنٹرول حاصل کریں گے کیونکہ باہر ہیں معاشریات کے مطابق معاشری میدان میں چین نمبر ایک، امریکہ نمبر دو، یورپی یونین نمبر تین اور بھارت نمبر چار طاقتیں ہوں گی۔ امریکہ سے شفت ہونے کی صورت میں یہودیوں کے مفادات امریکہ سے وابستہ نہیں رہیں گے بلکہ امریکی عوام کی باخبری کی وجہ سے یہودی، امریکہ مخالف ہو جائیں گے۔ اب یہودیوں کی کوشش ہو گی کہ ان کا نیا پلیٹ فارم یعنی یورپی یونین معاشری حوالے سے بھی ایک موثر اور نمبر وون پوزیشن اختیار کرے۔ یہودی ذہن کے مطابق ایکسویں صدی میں یورپی یونین کے لیے بھارت، زرعی تبااد کا کام دے گا۔ بھارت، اسرائیل اور یورپی یونین کے بाहمی اتحاد۔ یا عالمی نظام قائم ہو گا جس کی میست یہودی ہی بہتر بتا سکتے ہیں۔

اب سا ۱۔ تھا کہ تیسرے اور چوتھے نمبر والی طاقتون کو اور پر کیسے لایا جائے؟ اگر عالمی حالات اسی نفع پر چلتے رہتے تو چین نمبر ایک اور امریکہ نمبر دو ہوتے۔ اس طرح موجودہ حالات یہودیوں، ہندوؤں اور یورپی یونین کے مفادات کے خلاف تھے اور موجودہ حالات میں کوئی تغیری برپا کر کے ہی وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے تھے۔

امریکہ میں دہشت گردی کر کے اس ٹرائیکا نے درج ذیل مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے:

۱۔ امریکی معیشت پر ضرب اور امریکیوں میں عدم تحفظ کا احساس۔ اس واقعے کے بعد امریکہ میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ بے روزگار ہوئے ہیں اور امریکیوں میں باہمی عدم اعتماد جنم لے رہا ہے۔ پہلے سے موجود اندر وطنی اختلافات کو مزید ہوادی جا سکتی ہے۔

۲۔ اس واقعے کے بعد امریکہ کا ایشیا کی طرف رخ کرنا۔ یہودیوں نے امریکی کار پروڈاکٹس کو مختلف آپنے پر سوچنے کا موقع یہ نہیں دیا کیونکہ تاحال یہودی، امریکہ فیصلہ سازی میں بہت موثر ہیں۔ ایشیا میں امریکی آمد سے سوچنے کا موقع یہ نہیں دیا کیونکہ تاحال یہودی، امریکہ فیصلہ سازی میں بہت موثر ہیں۔ ایشیا میں امریکی آمد سے ایکسا کے بہت سے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ ایک تو اسلامی تبااد پرستی کو روکنا۔ دوسرا منظر ایشیا کی چھ مسلم ریاستوں اور افغانستان اور پاکستان کی مکمل ترقی کو لگانم دینا۔ کیونکہ افغانستان میں طالبان کے کنٹرول کر لینے سے "ایکسو" کے پلیٹ فارم سے یہ ممالک حیرت انگیز تریزی سے اقتصادی ترقی کر سکتے تھے اور عالمی امور میں اجارہ داری

کے خواہش مندوں کو سایا کی اور معاشری اعتبار سے چینچ کر سکتے تھے۔ ایکو مالک کی گہری قربت اور ترقی انہیا کے مناو بھی خلاف تھی۔

۳۔ امریکہ، چین کو بھی کسی ملٹری ایئر و نیچر میں الجھانے کی کوشش کرے گا تاکہ چین اپنی معاشری پالیسی میں تسلیم نہ رکھ سکے۔ اسی صورت میں چین اور امریکہ دونوں کی میعنیتیں موجودہ روشن برقرار نہیں رکھ سکتیں گی۔ علاقوں میں انہیا اور عالمی سطح پر یہودی اور یورپی یونین اس کے خواہش مند ہیں۔

۴۔ دہشت گردی کے اس واقعے کے بعد حب توقع امریکہ سے غیر ملکیوں بالخصوص اسلامی ممالک کے باشندوں کا انخلا شروع ہو گیا ہے۔ یہ لوگ واپس اپنے ممالک میں جا کر پہلے سے کمزور ممالک کے معاشری مسائل میں مزید اضافہ کریں گے۔

۵۔ اس کے علاوہ دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں عوامی سطح پر باہمی عدم اعتماد کا اظہار ہو گا۔ میں الاقوامی سطح پر اس ابتڑی سے یہودی سرمایہ کار بھر پور فائدہ اٹھائیں گے۔

۶۔ حالیہ امریکی ہدایات سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ امریکی عزم جزو قوتی نہیں ہیں۔ امریکا کا پروگرام طویل المیعاد ہے۔ امریکہ جتنا زیادہ عرصہ یہاں تھبیرے گا، اس کے چین سے تصادم کے امکانات اتنے ہی روشن ہیں۔ کوئی بھی واقعہ جن سکتا ہے اور ہو سکتا ہے دہشت گردی کرنے والوں نے اس حوالے سے کوئی منصوبہ تیار کر رکھا ہو۔ اگر امریکہ اور چین میں باقاعدہ تصادم نہیں بھی ہوتا، پھر بھی دونوں ممالک ایک دوسرے پر نظر رکھنے میں مصروف ہوں گے اور اسی عمل کے دوران میں ان کے معاشری پروگرام امریک سے ہٹ جائیں گے۔

۷۔ زیادہ امکان سیکی ہے کہ ایشیا بھی یورپی یونین کا ساتھ دے گا جس طرح اس نے دوسری عالمی جنگ میں جرمی کے خلاف برطانیہ کا ساتھ دیا تھا۔

اس سارے طویل المیعاد عمل کے دوران میں سب مغربی ممالک امریکہ کا ساتھ دیں گے اور امریکی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف اپنے مخصوص مقاصد حاصل کریں گے بلکہ امریکہ کو بھی اس کے موجودہ مقام سے بہت بھیچپے دھکیل دیں گے کیونکہ ان کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے۔

اگر ہم صورت حال کا ایک دوسرے زاویے سے جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ اگر عالمی حالات موجودہ روشن کے مطابق چلتے رہے تو مسلمانوں کو نقصان کا سامنا نہیں تھا۔ مسلم ممالک موجودہ حالوں ہی میں آہستہ آہستہ موڑ اہمیت حاصل کرتے جا رہے تھے لیکن دہشت گردی کے واقعے کے بعد مسلم ممالک بالاعوام اور پاکستان اور افغانستان بالخصوص چین صورت حال سے دوچار ہیں۔ تو اس تغیر سے فائدہ اٹھانے والے مسلم ممالک نہیں ہیں اور افغانستان

اور پاکستان تو بہت عجیب حالات کا شکار ہیں۔

اب اگر اس واقعہ سے فائدہ کے بجائے اتنا نقصان چکنچھ کا اندر یہ موجود ہے تو افغانستان، مسلم ممالک اور مسلمان ایسی دہشت گردی کیسے کر سکتے تھے؟ مسلمان اگر چہ زوال کا شکار ہیں لیکن ان کی سوچ بوجھ اتنی بھی کم نہیں ہوئی کہ وہ ایسے کسی واقعے کے بعد کا اندازہ نہ کر سکتے اور اپنا نقصان کرنے کے لیے ایسی دہشت گردی کے مرحلے ہوتے جوان کے دین کے بھی منافی ہے۔

اب موجودہ صورت حال میں پاکستان کا موقف بہت محکم ہے۔ اس راستا کانے یہ صورت حال پیدا کر کے پاکستان کے لیے بہت مشکلات پیدا کر دی تھیں لیکن حکومت پاکستان مدبر ان انداز سے اس کا جواب دے رہی ہے۔ دنیٰ طبقتوں کو چاہیے کہ حکومت پاکستان پر اندر سے دباؤ ڈالتے رہیں تاکہ حکومت اندر ورنی دباؤ کا اظہار کرتے ہوئے بہتر سودے بازی کی پوزیشن میں آسکے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ فائدہ اٹھا سکے۔ لیکن ان حکومت مخالف جلوسوں اور جلوسوں کے دوران بھارتی اور اسرائیلی ایجنسیوں کے مکان اقدامات کو پیش نظر رکھا جائے۔ وہ علماء اور حکومت کے درمیان "حقیقی فاصلہ" قائم کر سکتے ہیں۔ پاکستانی میڈیا مدبر ان انداز اختیار کرے۔ حکومتی موقف کے ساتھ ساتھ عوایی بذبابات کو بھر پور کو ترجیح دے تاکہ ہم "اندر ورنی پر یہش" کو بھر پور انداز سے دکھائیں۔ سرمایہ دار، تاجر، صنعت کار اور ذرا سعیت سے وابست افراد اپنے کام میں لگے رہیں۔ کسی نام نباد و دوافع کو جیادہ بنا کر اپنے پاؤں پر گلباڑی مارنے سے خود کو محفوظ رکھیں۔ اس سے ملک بھی محفوظ اور مضبوط رہے گا۔ داش و رحمزات، اسائزہ اور ظلہ بھی موڑ کردار ادا کرتے ہوئے نگری پر آنندگی کو پاس نہ پہنچنے دیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ راستا کانے مقصود میں کامیاب جارہا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے لیکن پاکستان نے کمال مدبر سے ان کے منصوبے میں ایک دراڑ ڈال دی ہے۔ پاکستان کا موقف ان کی امیدوں کے خلاف ہے۔ اگر چہ اس معنوی دراڑ سے ان کے منصوبے کی کلیست کو بہت زیادہ خطرات لاحق نہیں لیکن میں الاقوامی معاملات میں دلچسپی رکھنے والے ملزی سرتیخی میں سر پر اائز سے بخوبی واقف ہیں۔ ہم امید کر سکتے ہیں کہ میں الاقوامی سیاست کے موڑ کردار اس راستا کو "سر پر اائز" دیں گے۔

پاکستانی معاشرے کی نئی زو قطبی تقسیم

امریکہ میں دہشت گردی سے پیدا شدہ تشویش ہاک ہی نہیں، خوفناک عالمی صورت حال کے نتیجے میں جہاں افغانستان اور طالبان کے لیے شدید خطرات اور اندر یتھ پیدا ہو گئے ہیں، وہاں پاکستان بھی اپنی تاریخ کے مشکل ترین امتحان اور کشن آزمائش سے دوچار ہو گیا ہے جس کے ضمن میں اختلاف رائے میں شدت پیدا ہوئے سے ملک کی سلامتی اور سلیمانیت تک کو خطرہ لا حق ہو سکتا ہے۔

افغانستان کے لیے تو دشمن یہ بھک کہہ رہا ہے کہ اسے ہم دعات کے زمانے سے بھی پہلے کے دور یعنی پتھر کے زمانے میں پہنچا دیں گے اور اگر چہ با میں سالہ جنگ کے نتیجے میں افغانستان میں جس قدر تباہی و بر بادی پہلے ہی آچکی ہے اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی بے پناہ عسکری قوت کے پیش نظر بظاہر احوال بالفضل ایسا ہو جانا بعید از قیاس بھی نہیں ہے، تاہم یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ فی الواقع کیا ہو گا اور مشیت ایزدی کس طور سے ظاہر ہو گی۔ اور کیا عجب کہ اصحابِ فیل کا واقعہ دنیا میں ایک بار پھر ظاہر ہو جائے، واللہ اعلم۔ (بقول علام اقبال)

آج بھی ہو جو برائیم کا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

اہر پاکستان میں ایک جانب حکومت اور اس کے ہم خیالوں اور دوسری جانب دینی و مذہبی جماعتوں اور تنقیموں کے مابین اختلاف کی جو تجھ نمایاں طور پر سامنے آچکی ہے، اس کے ضمن میں جہاں یہ اندر یتھ پیدا ہے کہ ملک میں محاذ آرائی بڑھ کر تصادم کی صورت اختیار کر لے اور امن و امان کے درہم برہم ہونے کے نتیجے میں تو یہ سُلٹ پر عدم احکام کی صورت پیدا ہو جائے، وہاں اس اعتبار سے ایک بہت بڑا خبر بھی برآمد ہو رہا ہے کہ ملک میں ایک جانب سیکولر اور مغرب زدہ عناصر اور دوسری جانب دین و مذہب کے ساتھ عملی و جذباتی تعلق رکھنے والے لوگوں کے مابین واضح امتیاز اور جد اگاثہ شخص کا احساس و ادراک نمایاں طور پر پیدا ہو گیا ہے۔ گویا پاکستانی معاشرے میں ایک نئی "قطبی تقسیم" (Polarization) پیدا ہو رہی ہے جو پاکستان میں اسلامی انتہاب کے اعتبار سے نہایت مقید ہے۔

چنانچہ اس مرحلے پر حکومت پاکستان نے جو طرزِ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس پر جواہجہی جلے منعقد ہو رہے ہیں یا جلوس نکل رہے ہیں، ان سے وہ یکوار اور مغرب پرست حلقوں بالکل غائب ہیں جن کا فکر اور فلسفہ خالص حدیث کے گرد گھوتا ہے، لمبتدہ ان کی ساری دلچسپی صرف حیاتِ دنیوی اور اس کے مادی اسہاب وسائل تک محدود اور ساری لگبودھ اور بھاگ دوز دنیاوی سہولتوں اور آسانیوں اور ہب پڑے توقعات کے حصول کے چکر میں رہتی ہے اور احتجاجِ ٹکل کا کل ان حلقوں کی جانب سے ہو رہا ہے جن کے زندیک، خواہِ عمل اور خواہ صرف جذبِ باقی طور پر، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر شے پر مقدم ہے، جن کا تعلق، خواہِ فہم و شور کے ساتھ خواہ صرف عقیدے اور جذبے کی حد تک، دین و ندہ ہب کے ساتھ اس قدر مضبوط ہے کہ وہ ان کے لیے تن من و مدن قربان کرنے پر آمادہ رہتے ہیں اور جن کے زندیک، خواہِ شور کی یا بے شور کی طور پر، یہ حقیقت مسلم ہے کہ:

دیں ہاتھ سے دے کر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

اب ظاہر ہے کہ صورت حال جیسے جیسے آگے بڑھے گی اور افغانستان اور طالبان کے خلاف امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے کسی بھی اقدام میں حکومت پاکستان کے تعاون کے مظاہر منصہ شہود پر آئیں گے، اس کے نتیجے میں اس پر اُشن مزید گہرائی و گیرائی اور پختگی پیدا ہوئی چلی جائے گی۔

پاکستانی معاشرے کا یہ امتیاز و اقسام جہاں فی نفہِ مستقبل کے اسلامی انقلاب کے لیے نہایت مفید ہے، وہاں فوری طور پر ایک اور اعتبار سے بھی بہت مبارک ثابت ہو رہا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کے ذریعے مختلف ای ٹینیں پختاں تم کے مذہبی عناصر کے مابین از خود اور فطری طور پر اتحاد پیدا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے میں اظہار اخلاف اور احتجاج کی ایک خاص حلقوں کی جانب سے نہیں بلکہ جملہ دنیٰ حلقوں کی جانب سے ہو رہا ہے۔ گویا جملہ دنیٰ عناصر اس معاملے میں رائے اور موقف کے اعتبار سے متحداً اور یک زبان ہیں، خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی، بریلوی ہوں یا دیوبندی، اہل سنت و الجماعت ہوں خواہ اہل حدیث، اور خواہ قدیم طرز کے دینی مدارس سے فارغ التحصیل علا ہوں یا جدید احیائی تحریکوں سے وابستہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ لوگ۔ اگرچہ جملہ عناصر پر مشتمل کوئی "گرینڈ الائنس" با ضابط طور پر تا حال وجود میں نہیں آیا ہے، اور اس وقت تک "دفاع افغانستان کونسل" میں، جو ۲۰۰۴ء کو وجود میں آئی تھی اور جس کا نام اب "دفاع پاکستان و افغانستان کونسل" ہے، ابھی تک عامۃ المسلمين کے سوا عالم کے ان نامور اور نامیاں علماء و عوام کی فعال شمولیت نظر نہیں آ رہی ہے۔ جنہیں عرف عام میں بریلوی ملت پکار سے تعمیر کیا جاتا ہے، تاہم اپنے طور پر جداگانہ انداز میں احتجاج میں وہ بھی بھر پور طور پر شریک ہیں بلکہ بعض

مقامات پر تو انہوں نے اولیت کا شرف حاصل کیا ہے۔ گویا یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ جیسے چیز یہ معاملہ آگئے بڑھا، وقت کے تقاضے کے طور پر پاکستان کے جملہ دینی و مذہبی عناصر کا یہ گرینڈ الائنس وجود میں آجائے گا۔

اس پولارائزیشن کے دوسرے "قطب" (Pole) پر "قطب الاقطاب" کی حیثیت تو سربراہ حکومت، پہ سالار انواع پاکستان، پرستار اتا ترک جزل پرور مشرف صاحب کو حاصل ہے اور ان کے گرد رفتہ رفتہ پاکستانی معاشرے کے جملہ سیکولر عناصر جمع ہوتے جا رہے ہیں خواہ پہلے ان کا تعلق دائیں بازو ہے رہا ہو خواہ باعیں سے، اور خواہ دوہ میدان سیاست کے کھلاڑی ہوں یا اربابِ نسل و اصحابِ قلم، اور خواہ سول اور ملنٹری یا یورو کریمی کے حاضر یا رئیس اگر اکابر ہوں یادو ہو جنہیں عرف عام میں تعلیم یا فنون سربراہ اور دوہ طبقہ (Educated Elite) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو حکم کھلائی خدا اور دہریے ہیں اور وہ بھی جو اسلام کو صرف ایک "مذہب" کے طور پر تو مانتے ہیں جو چند عقائد، چند عبادات اور چند معاشرتی رسوم تک محدود ہے لیکن اس سے بڑھ کر اسلام کے "دینِ حق" یعنی نظامِ عدل اجتماعی کی حیثیت سے عمل سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظامِ حیات ہونے کے شور سے عاری ہیں۔ گویا اس وقت پاکستان میں یہ دونوں طبقے بھر پر طور پر ممتاز و ممتاز ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اگر ایک جانب حکومت پاکستان "خاموش اکثریت" کی اپنی پسندیدہ جہت میں یک جبتوں کے لیے کوشش ہے تو دوسری جانب فعال دینی و مذہبی حلقوں چاہتے ہیں کہ عوام ان کی جہت میں یکسو ہو جائیں۔

پاکستان میں تاحال دینی و مذہبی جماعتوں اور تحریکوں کی پیش قدمی میں ایک اہم رکاوٹ یہ بھی رہی ہے کہ اب تک ہمارے معاشرے میں یہ دونوں طبقے گذرا رہے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اکثر و پیشتر سماجی تحریکیں اسی "اجماع ضد دین" کی اساس پر چلتی رہی ہیں بلکہ سماجی تقریبات میں بھی یہ دونوں عناصر "من تو شدم تو من شدی" کا نقش پیش کرتے رہے ہیں جبکہ اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام اور قوانین شریعت کے نفاذ یا بالفاظ و دیگر اسلامی انقلاب کے لیے لازم ہے کہ پاکستانی معاشرے میں سورہ آل عمران میں وارد شدہ الفاظ مبارکہ حتیٰ یعیز الحبیث من الطیب کی کیفیت بالفضل رونما ہو جائے جس کے آثاراب بحمد اللہ نظر آ رہے ہیں۔

چنانچہ جمعہ ۲۴ ستمبر کی سپہر کو لاہور میں منعقد ہونے والا عظیم الشان جلسہ عام اس حقیقت کا بہت بڑا مظہر تھا اس لیے کہ اس کے شان پر جہاں جملہ دینی عناصر کی نمائندگی اظہر میں اقسام تھی، وہاں معرف ارباب سیاست کی غیر حاضری بھی بہت نمایاں تھی۔ حتیٰ کہ اپوزیشن کے رہنماء بھی کہیں نظر نہیں آئے جو عام حالات میں ہر وقت ایسے موقع کی خالش میں رہا کرتے ہیں کہ کسی بھی موضوع یا مسئلے پر حکومت وقت کے موقف کے خلاف جلسہ ہو رہا ہو تو اس میں شریک ہو کر خود اپنے لیے تقویت حاصل کریں۔ چنانچہ اس وقت کی احزاب مختلف میں سے صرف ایک مسلم ایگ

(ن) کے نوجوان رہنماء سعد رفیق صاحب جلیس میں شریک ہوئے اور وہ بھی غالباً صرف اپنی ذاتی حیثیت میں شرکت کر رہے تھے۔ جماعتِ اسلامی کی مرکزی قیادت کی بھرپور موجودگی، جو کچھ عرصہ قبل طالبان کی زیادہ پر جوش حاصل نہیں رہی تھی، بہت ہی نیک ٹھگون ہے۔ چنانچہ میں قاضی حسین احمد صاحب کو اس پرہیز دل سے مبارک باد دیتا ہوں کہ اگرچہ دوسرا دو سال قبل انہوں نے مجازہ "متحدہ اسلامی انقلابی مجاز" میں شرکت سے معدودت کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہمارا پختہ فیصلہ ہے کہ ہم آئندہ کسی بھی مجاز میں شامل نہیں ہوں گے"؛ لیکن اب اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے "فاعل افغانستان کو نسل" میں نہ صرف یہ کہاں رو سے شرکت اختیار کی بلکہ اس میں مسلسل فعال روں ادا کر رہے ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پاکستان میں دینی جماعتوں اور تنظیموں کا ایک وسیع تر اور منظم متعدد مجاز قائم ہو جو نہ صرف امریکی جاریت کی مخالفت کے منفی ہدف بلکہ پاکستان میں مکمل اسلامی انقلاب کے ثابت ہدف کے لیے موثر طور پر سرگرم عمل ہو۔ آمين یا رب العالمین۔

الشريعة انتزنيث پر

مختلف علمی، فکری، سیاسی اور معاشرتی مسائل پر
ماہنامہ الشريعة کے رئیس اتحاری مولا ناز اہد الرashدی
اور مدیر الشريعة عمار ناصر
کے قلم سے نکلنے والی تحریریوں کا ایک انتخاب
انتزنيث کی درج ذیل ویب سائٹ پر بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

متعة الطلاق کے احکام و مسائل

متعة يامناع، عربی زبان میں، ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی بھی قسم کا فائدہ یا منفعت حاصل کی جاسکے: کل ما ینتفع به علی و وجه ما فهو منتع و متعة (۱) اسلامی شریعت میں متعة الطلاق سے مراد وہ مالی فائدہ ہے جو طلاق یا فتیح عورت کو اپنے خادم کی طرف سے تھے کی صورت میں ملتا ہے۔ ذیل میں اس مسئلے کے بعض اہم پہلوؤں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

ححة الطلاق کی حکمت

حسن معاشرت کی بنیاد، عقل عام اور دین کی رو سے، ایثار و قربانی، اعلیٰ اخلاق اور تعاوون باہمی کے جذبے پر ہے۔ دین کی تعلیم یہ ہے کہ انسان زندگی کے تمام معاملات میں حسن اخلاق، مردوں، رواداری اور شاشکی کا مظاہرہ کرے، حتیٰ کہ معاملہ اگر تعلق توڑنے کا بھی ہوتا ہے بھی اس طرح عمدگی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا جائے کہ ناگزیر طور پر پیدا ہونے والی ناخوشیوں کے اثرات کو کم سے کم کیا جاسکے۔

یہی صورت نکاح کے معاملات میں ہے۔ قرآن مجید مرد کو، اس کی فطری صلاحیتوں اور معاشی ذمہ داریوں کی بنابر، خاندان کا قوام اور سربراہ قرار دیتا ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل
الله بعضهم على بعض وبما انفقوا
من اموالهم (ال النساء ۳۲)

مرداپنی یہ یوں کے سربراہ ہیں کیونکہ اللہ نے
انہیں ان کی یہ یوں پر فضیلت دی ہے اور وہ اپنے
مال بھی (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔

اس فضیلت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ قرآن مجید خانگی امور میں مرد کی رائے کو فیصلہ کرنے کا درجہ اور کہتا ہے کہ

(۱) راغب، المفردات فی غریب القرآن، ج ۳۶۱۔ ابن الائچر، التہابی فی غریب الحدیث والآثار، ج ۳، ص ۲۹۳

اس پہلو سے اس کو عورت پر ایک درجے کی فضیلت حاصل ہے:

اور مردوں کو اپنی بیویوں پر ایک درجے کی فضیلت
وللر حال علیہن درجہ (ابقرہ ۲۲۸) حاصل ہے۔

لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ اپنے برداود اور روایے میں بھی مرد اگلی اور بلند اخلاقی کا مظاہرہ کرے اور فتوت اور بلند کرداری کا یہ مظاہرہ قیام نکاح کی حالت میں ہی نہیں بلکہ اس صورت میں بھی ہونا چاہئے جب کسی وجہ سے رشتہ نکاح کا قائم رکھنا ممکن نہ رہے اور اسے توڑنے کی نوبت آجائے۔ چنانچہ قرآن مجید اس حالت میں تسریع باحسان اور مفارقة بالمعروف کی خاص طور سے تاکید کرتا ہے:

(رجی) طلاق دینے کا حق دو انہے۔ اس کے بعد یا تو دستور کے موافق یہوی کو رکھ لیا جائے یا خوش اسلوبی سے اسے پھوڑ دیا جائے۔
الطلاق مردان فامسک بمعرفت او تسریع باحسان (ابقرہ ۲۲۹)

فامسکوہن بمعرفت او فارقوہن اپنی بیویوں کو دستور کے موافق نکاح میں رکھو یا دستوری کے موافق ان کو جدا کرو۔
معروف (الطلاق ۲)

ہمارے نزدیک طلاق کی صورت میں عورت کو وحدت دینے کا حکم بھی اس تسریع باحسان کی فرع ہے۔
قرآن مجید نے تسریع باحسان کے حکم کی جو تفصیل کی ہے، وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ طلاق دینے کے بعد عورت کی عدت کو طویل رکرنے اور اس کو تجھ کرنے کی غرض سے رجوع نہ کیا جائے۔
(طلاق کے بعد) اپنی بیویوں کو تجھ کرنے اور حد ولا تمسکوہن ضرارا التعدوا ومن
سے تجاوز کرنے کے لیے ان کو مت روکو۔ جو ایسا بفعل ذلك فقد ظلم نفسه
کرتا ہے، یقیناً وہ اپنی جان پر بزرگ ظلم ڈھاتا ہے۔ (ابقرہ ۲۳۱)

۲۔ مرد نے نکاح کے وقت یا اس کے بعد جو بھی مال عورت کو دیا ہے، وہ وہاں تسلیا جائے چاہے وہ کتنا ہی

نیاد ہو:

اگر تم ایک بیوی کو پھوڑ کر دوسرا سے نکاح کرنا
وان از دتم استبدال زوج مکان زوج
چاہے ہو اور جبکی بیوی کو تم نے ذہروں مال دے
و آئیں احدها نہ قنطرارا فلا تأخذوا
رکھا ہے تو اب اس سے کچھ بھی واپس مت لو۔ کیا
منہ شیتا اتخاذ نہ بہتانا و ائما مبینا
تم بہتان لگا کر اور کھلے گاہ کا ارتکاب کر کے مال
و کیف تاحلدونہ وقد افضی بعضکم

الى بعض واحدن منكم مি�ثاقاً غليظاً

(الناء ۲۱، ۲۰)

و اپس لیتے ہو؟ اور تم کیسے یہ مال و اپس لے سکتے

ہو جبکہ تمہارے ایک دوسرے سے ازدواجی

تعاقبات رہے ہیں اور (نكاح کے وقت) تمہاری

بیویوں نے تم سے (دفاداری کا) نہایت مجبوٹ

پیمان لیا تھا۔

۳۔ مہر کی ادائیگی میں مرد و سعیت قلبی اور ایثار کا مظاہرہ کرے:

اور اگر تم اپنی بیویوں کو ہم بستری سے پہلے طلاق

دے دو اور ان کے مہر کی مقدار تم نے ملے کر رکھی

ہو تو اب (طلاق کی صورت میں) انہیں ملے شدہ

مہر کا نصف ادا کرو۔ ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو

تم سارا مہر رکھ سکتے ہو) یا اگر (خادم) جس کے

ہاتھ میں نکاح کی گرد ہے، و سعیت قلبی کا مظاہرہ

کرے (تو عورت سارا مہر بھی ملے سکتی ہے) اور

تم شوہروں کا ایثار کرنا ہی تقویٰ کے زیادہ قریب

ہے۔ اور اللہ نے جسمیں جو فضیلت دی ہے، اس کو

فراموش نہ کرو۔

مولانا امین احسن اصلاحی "لکھتے ہیں:

"قرآن نے مرد کو اکسلیا ہے کہ اس کی فتوت اور مردانہ بلند حوصلگی اور اس کے درجے مربوط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عورت سے اپنے حق کی دست برداری کا خواہش مند ہو بلکہ اس میدان ایثار میں خود آگے بڑھے۔ اس ایثار کے لیے قرآن نے یہاں مرد کو تمدن پہلوؤں سے ایجاد ہے۔ ایکسا یہ کہ مرد کو خدا نے یہ فضیلت بخشی ہے کہ وہ نکاح کی گرد کو جس طرح باندھنے کا اختیار رکھتا ہے، اسی طرح اس کو کھونے کا بھی مجاز ہے۔ دوسرا یہ کہ ایثار و قربانی جو تقویٰ کے اعلیٰ ترین اوصاف میں سے ہے، وہ جنس ضعیف کے مقابل میں جنس قوی کے شایان شان زیادہ ہے۔ تیسرا یہ کہ مرد کو خدا

نے اس کی ملائیتوں کے اعتبار سے عورت پر جو ایک درجہ ترجیح کا نیٹھا ہے اور جس کے سبب سے اس کو عورت کا قوم اور سربراہ بنایا ہے، یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے جس کو عورت کے ساتھ کوئی معاملہ کرتے وقت مرد کو بھولنا نہیں پہنچے۔ اس فضیلت کا انظری تقاضا یہ ہے کہ مرد عورت سے لینے والائیں مکاں کو دینے والا بنے۔ ” (۲)

۳۔ یہ وہ عورت کی عدت اگرچہ چار ماہ و سو دن ہے، لیکن خاوند اگر قریب الوقاۃ ہو تو وہ اپنے اہل خانہ کو صحت کر جائے کہ وہ اس کی وفات کے بعد ایک سال تک یہ وہ کو اسی گھر میں رہنے دیں:

اور تم میں سے جو مرد قریب الوقاۃ ہوں اور اپنے یکپیسے یہ وہ پھوڑ کر جا رہے ہوں تو وہ ان کے حق میں صحت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نکالے بغیر اخراج (ابقرہ ۲۲۰)	والذین یتوفون منکم و ینزرون لزرو احاجا وصیة لازوا حهم مناعاً لی الحول غیر اخراج (ابقرہ ۲۲۰)
---	---

۵۔ طلاق کی صورت میں عورت کی دل جوئی اور اس کے غم کو کم کرنے کے لیے خاوند مہر اور نفقہ کی لازمی ادا نہیں کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی چیز بطور تخفیف عورت کو دے:

اور اپنی مطلقاً عورتوں کو دستور کے مطابق پکھو دے و لا کر خست کرو۔ یہ بہل آنکھی پر الزمہ ہے۔ اے نبی، آپ اپنی یہ یوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی آسائیں اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں جسیں پکھو دے دا دوں اور اچھے طریقے سے جسیں جدا کر دوں۔	وللمطلقات متاع بالمعروف - حقا على المستحبين (ابقرہ ۲۲۱) سَا اِيَّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَازِوا حَلْثَكُ انْ كَتَن تَرْدَنْ السَّجِيلَةُ الدُّنْيَا وَزِيَّهَا فَتَعَالَى امْتَعْكُنْ وَاسْرَحْكُنْ سَرَاحًا حَمِيلَا (الاحزاب ۲۸)
--	--

حدائق کی قانونی حیثیت

حدائق ایضاً عورتوں کی چار حالتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ بوقت نکاح ان کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور ہم بستری کے بعد ان کو طلاق دے دی جائے۔

دوسری یہ کہ مہر تو مقرر کیا گیا ہو لیکن ہم بستری سے پہلے ہی طلاق دے دی جائے۔

تیسرا یہ کہ مہر مقرر نہ کیا گیا ہوا اور ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی جائے۔

چوتھی یہ کہ مہر مقرر نہ کیا گیا ہوا اور ہم بستری کے بعد طلاق دی جائے۔

ان مختلف صورتوں میں متعدد کی قانونی حیثیت کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے ہے:

پہلی رائے امام حسن بصری کی ہے جن کے نزدیک متعہ ان تمام مطلقات کے لیے واجب ہے۔ ان کا

استدلال وللملحقات متعہ بالمعروف سے ہے جو تمام مطلقات کے لیے عام ہے۔

دوسری رائے احتفاظ اور شافعی کی ہے جن کے نزدیک اس عورت کے لیے تو متعہ واجب ہے جسے دخول سے قبل طلاق دی گئی ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، لیکن باقی تمام مطلقات کے لیے حکم مستحب ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ایک یہ کہ قرآن مجید نے متعہ کا حکم خاص طور پر صرف اس مطلقة کے لیے دیا ہے جس کا مہر ملنے کیا گیا ہوا اور دخول سے قبل اسے طلاق دے دی گئی ہو۔ ایسی عورتوں کے لیے یہ حکم قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ میں امر منعوں استعمال کیا گیا ہے جو کہ جوب کی دلیل ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

لَا جناح علَيْكُمْ أَنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا
تَمَّ بِكُمْ مِنْ تَعْلِقَاتٍ قَاتِمٍ كَيْفَ يَسْأَلُونَكُمْ
لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فِرِضَةً

وَمَنْعِلُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قُدْرَهُ وَعَلَى
الْمُسْتَقْرِ قُدْرَهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًا

عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرہ ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنی ان یہ یوں کو طلاق دو
جس سے تم نے تعلقات قائم کیے ہیں تا ان کا مہر

مقرر کیا ہے۔ انہیں (رخصت کرتے ہوئے)
پکھ دے والا دو، خوش حال اپنی گنجائش کے مطابق

اور رخصت اپنی گنجائش کے مطابق۔ دخول کے
مطابق کوئی تحفہ ہونا چاہئے جو احسان کرنے

و الوں پر لازم ہے۔

سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
سَيِّدِ الْعَالَمِينَ

إِنَّمَا الظَّنُونُ عِنْ أَنْ يَعْلَمَ
مَا فِي الْأَرْضِ وَمَا فِي السَّمَاوَاتِ

وَمَا يَعْلَمُ اللَّهُ بِأَنْ يَعْلَمُ
مَا فِي الْأَرْضِ إِنَّمَا يَعْلَمُ
مَا يَعْلَمُ اللَّهُ بِأَنَّمَا يَعْلَمُ
مَا فِي الْأَرْضِ وَمَا فِي السَّمَاوَاتِ

وَمَا يَعْلَمُ اللَّهُ بِأَنَّمَا يَعْلَمُ
مَا فِي الْأَرْضِ وَمَا فِي السَّمَاوَاتِ

وَمَا يَعْلَمُ اللَّهُ بِأَنَّمَا يَعْلَمُ
مَا فِي الْأَرْضِ وَمَا فِي السَّمَاوَاتِ

وَمَا يَعْلَمُ اللَّهُ بِأَنَّمَا يَعْلَمُ
مَا فِي الْأَرْضِ وَمَا فِي السَّمَاوَاتِ

دوسرا یہ کہ علی الموسوع قدرہ و علی المقتدر قدرہ میں علی کاظمی اور وجوب کے لیے ہے۔
تیرے یہ کہ اس حکم کے آخر میں حقاً علی المحسنین کے الفاظ بھی وجوب کی دلیل ہیں۔

چوتھے یہ کہ عقل و قیاس بھی اس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ شریعت کی ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد نکاح میں عورت کو کوئی نہ کوئی مالی عوض ضرور ملنا چاہئے۔ چنانچہ نکاح کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
ان عورتوں کے سواباً باقی سب عورتوں سے مال
واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبعوا
باموالکم (اتساء ۲۳)

چونکہ عقد نکاح کو قبول کر کے عورت، خاوند کو استماع کا حق سونپ دیتی ہے، اس لیے نفس نکاح کے ساتھی عوض لازم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگرچہ عملاً خاوند نے استماع نہ کیا ہو، عوض کی ادائیگی اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ مطلقات کی باقی تمیں صورتوں میں یہ عوض ہمہ کی صورت میں، حسب ذیل تفصیل کے مطابق، عورت کو ادا کیا جاتا ہے:
اگر عورت کو ہمہ مقرر ہونے اور دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو تو اسے پورا ہمہ ملے گا۔

اگر ہمہ مقرر ہونے کے بعد اور دخول سے پہلے طلاق دی جائے تو اسے نصف ہمہ ملے گا۔

اگر ہمہ مقرر ہتھیاری ہو اور دخول کے بعد طلاق دی جائے تو، ازدواجے حدیث، عورت کو ہمہ ملے گا۔ اس اصول کی رو سے ضروری ہے کہ وہ عورت جس کو ہمہ مقرر یہے بغیر دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو، اسے بھی کوئی نہ کوئی عوض دیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید نے اسی عورت کو متعدد دینے کی ہدایت کی ہے۔ چونکہ اسی عورت کے لیے دوسرا کوئی عوض نہیں ہے، اس لیے اس کے لیے متعاد جب ہے جبکہ باقی مطلقات کو چونکہ ہمہ کا پورا یا کچھ حصہ مل جاتا ہے، اس لیے ان کے حق میں منصرف مستحب ہے۔ (۲)

وللمطلقات متاع بالمعروف سے امام سن بصریؑ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے امام ابو بکر ابن العربي اور امام بصاص تفرما تے ہیں کہ متاع کاظمی زبان میں ہر اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جس سے کسی بھی تم کا فائدہ اٹھایا جاسکے۔ چنانچہ جن عورتوں کو پورا یا نصف ہمہ مل جاتا ہے، ان کے لیے وہی متاع ہے اور جن عورتوں کو ہمہ نہیں ملتا، ان کے لیے متاع کی صورت یہ ہے کہ خاوند اس کی دل جوئی کے لیے اس کو کوئی تحفہ پیش کرے۔ (۲)

تیری رائے امام مالکؓ کی ہے جو کہتے ہیں کہ متعد کسی بھی مطلقة کے لیے واجب نہیں بلکہ سب کے لیے مستحب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں و متعوہن کا حکم استحباب کے لیے ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ

(۲) ابن قدامہ، المغافل، ج ۷، ص ۱۸۳، ۱۸۴

(۳) ابن العربي، احکام القرآن، ج ۱، ص ۵۸۳۔ بصاص، احکام القرآن، ج ۱، ص ۵۸۳

حقاً على المحسنين كاجمله ہے جو یہ بتاتا ہے کہ متعہ کا یہ حکم قانونی طور پر نہیں بلکہ احسان اور تقویٰ کے لحاظ سے لازم ہے۔ (۵)

مذکورہ قانونی بحث سے قطع نظر اتنی بات واضح ہے کہ قرآن مجید نے متعہ کا حکم نہایت تاکید اور اہتمام سے بیان فرمایا ہے اور قانونی لحاظ سے نہ کسی لیکن اخلاقی لحاظ سے اس کا درجہ جو بھی کا ہے۔ مولا نا امین احسن اصلاحی حقاً علی المتقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اوپر آیت ۲۳۶ میں مطلق عورتوں کو دے دا کر رخصت کرنے کی جو بادایت فرمائی تھی، آخر میں یہ براں کی یاد دہائی کر دی اور اس کو اہل تقویٰ پر ایک حق قرار دیا۔ جو حقوق صفات و کردار پر مبنی ہوتے ہیں، بعض حالات میں وہ اس دینی نندگی میں تو قانون کی گرفت کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں لیکن خدا کے ہاں ان صفات کے لیے وہ حقوقی معیار خبریں گے۔ اگر ایک چیز مونین یا محسین یا متفقین پر حق قرار دی گئی ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کا قانون اس دنیا میں اس کی خلاف ورزی کرنے والوں پر کوئی گرفت نہ کرے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آخرت میں بھی ان کی خلاف ورزی پر کوئی اثر حرج نہیں ہو گا۔ آخرت میں آدمی کا ایمان یا احسان یا تقویٰ انہی حقوق کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کے اعتبار سے وزن دار یا بے وزن خبر ہے گا۔“ (۶)

متعہ کی مقدار

حد کی مقدار کی تعمیں میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں:

اہن عمر قرماتے ہیں کہ متعہ کی مالیت کم از کم تیس درہم ہوئی چاہیے۔

اہن عباس قرماتے ہیں کہ متعہ کی اعلیٰ ترین صورت خادم ہے، اس کے بعد کپڑے اور اس کے بعد نفقہ۔

عطاء قرماتے ہیں کہ در میانے در بھے کے متعہ میں قیص، دو پیش اور چار شوال ہونے چاہیں۔

حسن بن علیؑ نے حد کے طور پر پانچ سو درہم دیے۔

قاضی شریعت نے حد کے طور پر پانچ سو درہم دیے۔ (۷)

یہ تمام تعبینات اپنے اپنے محل میں درست ہیں کیونکہ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ حد کی نوعیت اور مقدار

(۵) اہن رشد، بدایہ الحجۃ، ج ۲، ص ۲۳۷

(۶) تدبر قرآن، ج ۱، ص ۵۵۶

(۷) اقرطبی، الجامع لا حکام القرآن، ج ۲، ص ۲۰۱-۲۰۲۔ اہن کیش، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۲۸۷-۲۸۸

کے باب میں کوئی چیز از روئے شریعت متعین نہیں ہے، بلکہ اس کا تین مقامی روانج اور خاوند کے مالی حالات کے لحاظ سے کیا جائے گا:

أَنْهِىْ (رَخْصَتْ كَرْتَهْ ھُوَءَ) كَچْدَهْ دَهْ دَهْ
خُوشَ حَالَ أَپَنِيْ گَنْجَاشَ كَمَطَابِقَ اُورَتَجَفَ دَسْتَ
أَپَنِيْ گَنْجَاشَ كَمَطَابِقَ - دَسْتَورَ كَمَطَابِقَ كَوَئِيْ تَحْنَهْ
هُونَاْ چَابَنَےْ جَوَاحِدَنَ كَرْتَهْ دَلَوْنَ پَرَازِمَ بَهْ -

فَمَتَعْوَهُنَ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدْرَهُ وَعَلَى
الْمَقْتَرِ قَدْرَهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ
(ابقرہ ۲۳۶)

امام قرطبی لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْحَسْنُ : يَمْتَعُ كُلُّ بِقَدْرِهِ ، هَذَا
بِخَادِمٍ وَهَذَا بِأَنْوَابٍ وَهَذَا بِثُوبٍ
وَهَذَا بِنَفْقَةٍ ، وَكَذَلِكَ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ
إِنْسَ ، وَهُوَ مَفْتُضٌ لِلْقُرْآنِ فَإِنَّ اللَّهَ
سَبَحَانَهُ وَتَعَالَى لَمْ يَقْدِرْهَا وَلَا
حَدَّدَهَا وَإِنْسَاقَال "عَلَى الْمَوْسِعِ
قَدْرَهُ وَعَلَى الْمَقْتَرِ قَدْرَهُ" .

مسن کتبے ہیں کہ ہر فنچ اپنی گنجائش کے مطابق
محدود ہے۔ کوئی خادم کی صورت میں، کوئی زیادہ
کپڑوں کی صورت میں، کوئی ایک کپڑے کی
صورت میں اور کوئی نعلت کی صورت میں۔ امام
مالک بھی یہی فرماتے ہیں اور قرآن کا مدعایہ ہی
یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مقدار اور
نومیت متعین نہیں کی بلکہ فرمایا ہے کہ فراخ دست
اور تجھ دست پنی اپنی گنجائش کے مطابق دیں۔

(۸)

پاکستان کے نظام حکومت میں خرابی کی چند وجوہات

یوں تو قیام پاکستان سے ہی اس مملکتِ خداداد کے نظام حکومت کے بارے میں بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ یہ سے یہے علماء اور فضلا اس موضوع پر بہت کچھ لکھے چکے ہیں۔ جز لفڑیاء الحن نے بھی ایک کیمین نظام حکومت کے خدوخال طے کرنے کے لیے بنایا تھا لیکن بد قسمی سے اس کیمین کی اکثر سفارشات پر عمل نہ کیا گیا، صرف ایک سفارش یعنی غیر جماعتی انتخابات کو ۱۹۸۵ء میں اختیار کیا گیا اور اسی غیر جماعتی آئمبلی نے فوراً جماعت سازی کرتے ہوئے اپنے آپ کو سلمیگ (جوجنجو) کے تحت منظوم کر لیا جس سے اس سفارش کی بھی نفعی ہو گئی۔ جز لفڑیاء کی وفات کے بعد چار انتخابات جماعتی بنیادوں پر منعقد ہو چکے ہیں لیکن ملکی حالات خواہ وہ معماشی ہوں، معاشرتی ہوں یا سیاسی، پہلے سے بھی ابھر ہو چکے ہیں۔ عوام و خواص پر پیشان بلکہ مایوس دکھائی دیتے ہیں۔ سلمیگ (ن) کو عوامی اکثریت کی حمایت حاصل رہی لیکن اکثر پاشور سلمیگ بھی یہ کہتے تھے کہ نواز شریف صاحب اور ان کے ساتھی ملکی حالات کو فوراً سدھارنے کی الیت نہیں رکھتے اور فی الواقع وہ اپنے کسی بھی دور حکومت میں ملکی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ لائے

فرق اور مسلک کی بنیاد پر قائم نہ ہی سیاسی پارٹیوں اور رہنماؤں میں بھی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی جو اس کرپٹ معاشرے اور نظام کو سیدھی راہ پر ڈال سکے۔ پاکستان میں اس وقت کچھ جماعتیں موجودہ نظام کے تحت ہی ملکی نظام کو چلاتا چاہتی ہیں جن میں سلمیگ (ن) اور ہبیزل پارٹی سرفہرست ہیں۔ کچھ چھوٹی علاقائی اور شخصی پارٹیاں مثلاً اسیں پی، جمہوری پارٹی، ایم کیو ایم وغیرہ بھی جمہوری پارٹی میانی نظام کے تحت ہی رہتا چاہتی ہیں۔

جماعتِ اسلامی جو پاکستان کی سب سے منظم جماعت ہے اور تربیت یافت کارکنوں کی ایک کثیر تعداد رکھتی ہے، ایک طرف مکمل اسلامی نظام کی داعی بھی ہے اور دوسری جانب موجودہ سسٹم کے تحت ہونے والے ہر ایکشن (سوائے ۷۔ ۱۹۹۹ء) میں حصہ بھی لئی رہی ہے لیکن اپنی حکومت، قربانیوں اور پاکستان اور اسلام کے ساتھ والہانگن کے باوجود

بادی اندر میں عوام کی اکثریت کو قائل نہیں کر سکی۔ ۲۳ جون ۱۹۹۶ء کو بنیظیر حکومت کی بد عنوانیوں کے خلاف ہونے والے مظاہرے اور پھر ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء کے اسلام آباد کے درجنے کے پروگرام سے لے کر اب تک جماعت اسلامی مسلم یہ مطالب کر رہی ہے کہ موجودہ نظام کو بد لے بغیر اصلاح ناممکن ہے۔ قاضی حسین احمد کا یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے جس کے مطابق پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کی موجودہ لیدر شپ میں نہ صلاحیت ہے اور ان کی یہ سوچ ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی مملکت بنایا جائے۔

پاکستان میں آج کل لوگوں کی ایک خاصی بڑی تعداد یہ سوچنے پر مجبور ہو رہی ہے کہ پاریمنی جمہوری نظام کے تحت اصلاح کے فوری امکانات نہیں ہیں جبکہ کچھ تنظیمیں اور ان کے سربراہ مثلاً دعوت و ارشاد کے حافظ محمد سعید، تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم الاخوان کے رہنماء مولانا محمد اکرم اعوان، عوامی تحریک کے ڈاکٹر طاہر القادری جمہوریت اور جمہوری نظام کو بالکل غیر اسلامی قرار دیتے ہیں اور ان کی باتوں میں خاصاً وزن بھی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پچاس سال گزرنے کے بعد بھی اب تک ہم بحیثیت قوم کی ایسے نظام حکومت کو اختیار کیوں نہیں کر سکے جو تسلیم سے جاری رہے؟ شاید پاکستانی عوام کے سماجی، معاشرتی، معاشری، سیاسی و مذہبی حالات و رجحانات کا پوری سیکونی سے مطابع اور تجزیہ ہی نہ کیا گیا ہو۔

یوں تو یہ پہنچ کل سائنس کے ماہرین کا کام ہے کہ وہ پاکستانی قوم کو موجودہ کنفیوژن سے نکالنے کے لیے کوئی لاکچر متحمل تجویز کریں لیکن حب الوطنی کا تناضال یہ ہے کہ ہر باشور پاکستانی اپنی استطاعت کے مطابق پاکستانی قوم کے مزاج، روایوں اور رجحانات کا بے لائگ تجزیہ کرے اور پھر اس کی روشنی میں پاکستان کے لیے موزوں تنقیم حکومت کا خاک ک تجویز کرے۔

میرے خیال میں مندرجہ ذیل وجوہ ابھی تک موزوں تنقیم حکومت کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں:

۱۔ قرارداد مقاصد منظور ہو جانے کے بعد پاکستانی تنقیم حکومت کی بنیاد تو طے ہو گئی تھی یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی حاکم مطلق ہے اور منتخب نمائندوں کو ایک مقدس امانت کے طور پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہو گا جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے دائرے میں رہ کر ہی استعمال کیا جائے گا لیکن بقیتی سے کسی پاکستانی حکمران نے اس کو عملی صورت دینے کی محسانہ کوششیں کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی تک بے شمار ایسے کام ہو رہے ہیں جو صریحاً اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے خلاف ہیں مثلاً سودا اور سودی کا رد بار۔

۲۔ دستور پاکستان میں پاریمنی طرز جمہوریت کو اختیار کرنے کا اعلان کیا گیا ہے لیکن عملاً یہ ثابت ہوا ہے کہ پاریمنی طرز جمہوریت پاکستان عوام کے مزاج اور رجحانات کے مطابق نہیں۔ صدارتی جمہوریت جس میں صدر

برادر اسلام کا منتخب کر دہ ہو، پاکستانی عوام کے مزاج اور روایوں کے زیادہ قریب تر ہو سکتا ہے۔ ویسے تو قرار داد مقاصد اور اسلام کے حوالے سے جمہوری خلافت کی اصطلاح زیادہ موزوں ہو سکتی ہے۔

۳۔ ایک اور چیز جو بہت ہی اہم ہے، یہ ہے کہ اکثر پاکستانی (عوام و خواص) دوسروں کی خامیوں اور کوتا ہیوں پر تو فوراً سخت پا ہو جاتے ہیں لیکن اپنی خانی کسی کو نظر نہیں آتی یعنی ساری قوم دوہرے معیارات چاہتی ہے۔ اپنے لیے کچھ اور دوسروں کے لیے کچھ۔ بڑے سے بڑا داش ور، صوفی و پیر، مولوی و عالم، فوچی و سیاسی راہنماء بھی اس خرابی میں بجا ہیں۔ شاید ہی کوئی شخصیت ہو جس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ ظاہر و باطن کا یہی تضاد ہمارے اکثر مسائل اور مشکلات کی وجہ ہے اور یہی روایہ اسلام، دستور اور قرار داد مقاصد کے نفاذ میں بنیادی رکاوٹ بننا ہوا ہے۔

۴۔ ایک اور اہم روایہ جو کئی مسائل کو جنم دیتا ہے، وہ ہے پاکستانی قوم کا جذبائی پن۔ جذبات میں آ کرایے ایسے مطابقے اور نفرے لگائے جاتے ہیں جن پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ زیادہ تر پاکستانی آئینہ ملزم کا بھی شکار ہیں اور حقائق کا سامنا نہیں کر سکتے۔ اسی آئینہ ملزم کا نتیجہ ہے کہ ایک جانب ہماری گفتگو میں رسول اللہ ﷺ اور خلافتِ راشدہ کی مثالیں دی جاتی ہیں لیکن دوسری جانب ہم اپنی ذرہ بھر اصلاح کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔

۵۔ زیادہ تر پاکستانی بے صبری کا بھی شکار ہیں۔ اس وجہ سے دو تین سالوں میں ہی حکمرانوں اور نظام سے اکتا جاتے ہیں اور یہ دیسی نظام کے تسلسل میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ دستور میں ترمیم کر کے حکومت کا دورانیہ چار سال کر دیا جائے تو امید ہے کہ لوگ چار سال تک صبر کر لیں گے۔

۶۔ جو طبقہ قوم کی راہنمائی اور تعمیر کر سکتے ہیں، مثلاً اسلامہ، صحافی، بحتر، مذہبی پیشوں (مولوی، پیر، مشائخ وغیرہ) اور سیاستدان، وہ خود بھلائی اور برائی میں تمیز کرنے سے قاصر ہیں کیا کہ وہ افراد قوم کی تعمیر و اصلاح کا فریضہ انجام دیں۔ استاد، صحافی اور بحتر اپنے مقام سے ہی آگاہ نہیں ہیں۔ علماء اور پیر صاحبان اپنے مسلک اور فرقہ سے ہٹ کر کسی دوسرے کی بات سننے کے روایار�یں ہیں۔ سیاست دان اپنے اقتدار کے لیے ملک و قوم کی ہر شے کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کیا کہ وہ ملک اور قوم کو صحیح نظام حکومت تجویز کرنے کا سوچ سکتیں۔

۷۔ پاکستانی عوام کی اکثریت ناخواندہ ہے اور جو خواندہ ہیں، وہ بھی اپنے حقوق اور فرائض سے نادافع ہیں۔ بلاشبہ پاکستانی عوام کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے لیکن بہت ہی قلیل لوگ ہوں گے جن کو اسلام کا صحیح شور و رہنمہ ہے اور اکثر لوگ اسلام کو بخنسے کے لیے تھوڑی سی کوشش بھی نہیں کرنا چاہتے مگر اپنی گفتگو میں زیادہ تر افراد یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ اسلام کا فہم کسی اور کوئی نہیں ہے۔ اسلام ایک فردو جو حقوق دیتا ہے، ہم میں سے کوئی بھی دوسروں کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسلام جس طرح ہم سے مالی و جانی ایجاد کا تناضاد کرتا

ہے، بہت کم لوگ ہیں جو اس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسلام کے مطابق ہمارا الاصرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے لیکن ہمارے عوام و خواص نے چھوٹے چھوٹے الہ بنا رکھے ہیں۔ کسی کا الہ اس کا افسر ہے تو کسی کا الہ اس کا جاگیر دار ہے اور کسی کا الہ مولوی یا ہیر ہے۔ کسی کا الہ مال و دولت (سرمایہ) ہے تو کسی کا الہ حاکم وقت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستانی عوام کی اکثریت جرات اور بہادری کا اظہار نہیں کرتی بلکہ معمولی چیزوں پر اپنا ایمان اور عزت نفس کا سودا کر لیتی ہیں اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ نہیں کرتی جس کی وجہ سے ہر طبقہ مقتدر طبقوں کو من مانی اور ننا انصافی کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

عام حالات میں بھی بھی اور کھری بات کم ہی لوگ کرتے ہیں بلکہ زیادہ تر لوگوں کا وظیرہ یہ ہو گیا ہے کہ برے سے برے آدمی اور بری سے بری بات کو نوکتے بھی نہیں اور جو کوئی بھی اور کھری بات کرتا ہے، اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اس سے پاکستانی اکثریت کے عمومی رویے میں خود غرضی کا اظہار ہوتا ہے جو اسلام کی تعلیمات کے راستر خلاف ہے۔

۸۔ پاکستان میں جاگیر داری نظام کی موجودگی بھی بے شمار خرابیوں کا باعث ہے۔ اکثر جاگیر دار مذہبی خانقاہیوں کے متواتی بھی ہیں اور اب تو یہ لوگ سرمایہ دار بھی ہیں گئے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ دار طبقہ زمینیں خرید کر جاگیر دار ہیں گیا ہے۔ یورپ کریمی اور فوج کے اہم عہدوں پر انہی کے قریبی عزیز فائز ہوتے ہیں جو ہر حکومت میں ان کا تحفظ کرتے ہیں۔ غیر ملکی آفاؤں (امریکہ و برطانیہ) کی پالیسیوں پر بھی انہی لوگوں کے ذریعے سے عمل کروایا جاتا ہے۔

میرے خیال میں بھی رویے اور جو بات ہیں جو ایک قابل عمل نظام حکومت کو اپنانے میں رکاوٹ بننے ہوئے ہیں۔ اب ہماری یہ حالات ہے کہ نہ جائے رفتان نہ پائے ماندن۔ ملک اور قوم کو اس چیز پر اور نازک صورت حال سے نکالنے کے لیے ایسا نظام حکومت اختیار کیا جانا چاہئے جو ایک جاپ ہمارے عوام کی اخلاقی، تعلیمی، معاشری حالات کو پوش نظر کئے اور ان کے فنا فتنی، معاشرتی اور مذہبی رویوں کو مدد نظر رکھتے ہوئے اختیار کیا جائے۔ دوسرا جاپ یہ نظام تعطیل (Suspension) کا شکار نہ ہو بلکہ تسلیم سے چلا رہے تاکہ پاکستان کو استحکام نصیب ہو اور قیام پاکستان کے مقاصد بھی پورے ہو سکیں۔

مولانا سعید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ - چند یادیں

حضرت مولانا الیاسؒ کا طریقہ تربیت

مولانا سعید احمد خانؒ کو مولانا الیاسؒ سے اس درجے کا تعلق خاطر اور محبت تھی کہ جب مولانا الیاسؒ کی تربیت، دعوت، حکمت کے واقعات سننے لگتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ طوفان کا بند کھل گیا ہے جو اب بند نہیں ہو گا۔ اپنے خاص انداز میں گھنٹوں واقعات سناتے۔ اسی طرح حضرت مولانا الیاسؒ کے خاص الالاں خادم و رفیق میاں جی عبد الرحمن میواتی جو نو مسلم اور مستحاب الدعوات تھے، کی دعوت و حکمت کے عجیب و غریب واقعات گھنٹوں تک سناتے۔ فرماتے اللہ تعالیٰ نے میاں جی عبد الرحمن کو خاص حکمت عطا فرمائی تھی۔ ان کی روحاں نیت اور زبان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی غیر مسلم جامع مسجد دہلی سے بستی نظام الدین تک میئے (جنزار گاڑی) میں ساتھ مجھ میختا تو نظام الدین مجھ پنچ تک وہ مسلمان ہو چکا ہوتا۔ ان کے ہاتھ پر ہزار با غیر مسلم دولت ایمان سے سرفراز ہوئے۔

فرمایا ایک بار ہم لوگ (مولانا الیاسؒ، میاں جی عبد الرحمن اور مولانا سعید احمد خانؒ) میوات میں پیدل سفر کر کے کسی بستی میں جا رہے تھے۔ راستے میں کچھ میواتی بھی سفر کر رہے تھے۔ میاں جی نے ان میواتیوں کو آواز دی اور کہا، اسے میوہ تم فاتحہ دلواؤ۔ اس دور کا میوات شرک و بدعتات کی رسم میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا، پاں کیوں نہیں۔ پوچھا فاتحہ کون پڑھے؟ کہنے لگے ہمارا میاں (یعنی مکتبی مولوی) پڑھے۔ فرمایا، باپ دادا تو اس کے بھی مرے ہیں۔ کیا پڑھ پڑھے سے اپنوں کو بخشن دیتا ہو۔ پھر کہا گئی (گزر چاول کا خاص میواتی کھانا) تمہاری گئی اور تو اب اس نے اپنے باپ دادا کو بخشن دیا۔ اس طرح پہلے انہیں شے میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا یہ تاؤ کھیر اس کا، دودھ گزر چاول تمہارے یا میاں جی کے؟ کہنے لگدہ تو سب ہمارے ہیں۔ فرمایا جب دستخوان پر میاں جی کا کچھ ہے ہی نہیں تو وہ کیا بخٹکاتے۔ وہ تو تم بخشو (یعنی نیت کرو) جن کا ہے۔ سادہ دل میواتی کہنے لگے، سمجھ میں آ گیا۔ اب ہم ری فاتحہ نہیں دلوائیں گے۔ پھر میاں جی عبد الرحمنؒ نے مولانا سعید احمد خانؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم مولوی اگر ان سے بات کرتے تو کہتے، بدعت ہے اور وہ کہتا، وہ بابی ہے اور وہ ہیں۔ بھکر اور مناظرہ شروع ہو جاتا۔

مناظروں سے وحشت و تغیر

مولانا سعید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ بار بار فرماتے، بھائی ہمیں حکمت اور لوگوں کو اپنا بنا نہیں آتا۔ حضرت مولانا الیاسؒ کو اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت دی تھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے اخلاق عالیہ عطا فرمائے تھے جن کی بدولت وہ لوگوں کو اپنا بنا لیا کرتے تھے۔ مولانا الیاسؒ کی مناظروں کے سخت خلاف تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ان مناظروں سے اصلاح نہیں ہوتی، عناد بڑھتا ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ دعوت سے دل بڑتے ہیں اور مناظرے سے دل پھٹتے ہیں۔ فرمایا مولانا الیاسؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک بار کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص کو دعوت دینی شروع کر دی۔ کسی نے آپ سے کان میں کہا یہ شخص تو شیعہ ہے۔ فرمایا کہ تو پڑھتا ہے، رسول اللہ ﷺ کو تو مانتا ہے۔ یہ کہ کراس سے پٹ گئے کہ میرا مسلمان بھائی ہے۔ وہ شخص شیعوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ مولانا الیاسؒ رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ عمل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ساری زندگی جب کوئی مولانا الیاسؒ کے متعلق پوچھتا تو وہ کہتے وہ خدا کے خاص انجام مقرر بندے ہیں۔ ہو سکتے تو ان کی خدمت میں ضرور جاؤ۔ یہی حال مولانا سعید احمد خانؒ کا تھا۔ جو ایک بار آپ کی مجلس میں بیٹھ جاتا، ہمیشہ کے لیے آپ کا گردیدہ ہو جاتا۔

حضرت مولانا سعید احمد خانؒ فرمایا کرتے تھے جن کے دلائل غیر کے ہیں جو ہر ایک کے جلدی سمجھ میں نہیں آنے کے اور باطل کے دلائل مشابہ کے ہیں جو عموم کو فوراً سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ اگر بات مناظروں تک تی رہے تو عوام کے دلوں پر اہل باطل (اہل بدعاات) کی بات ہی حادی رہے گی۔ وہ تو حق کی محنت ہے جو باطل کو مانا دے گی۔ غرض مولانا سعید احمد خانؒ نے برس باہر س تک اس صدی کے سب سے بڑے داعی ایلی اللہ حضرت مولانا الیاسؒ کی صحبت اختیاری۔ ان سے دعوت کی حکمت سمجھی اور ان کے فیض تربیت سے کندن بن کر لٹکے۔ آپ پر دعوت کا ایسا رنگ چڑھا کر زندگی کا مقصد و حیدری امت کو رسول اللہ ﷺ کی محنت و طریقہ (دعوت و اجتیحہ سنت) پر لانا بن گیا اور آپ مولانا الیاسؒ کے دامن سے اس طرح واپس ہوئے کہ من تو شدم تو من شدی کے مصادق بن گئے۔

سادگی و جفا کشی

حضرت مولانا سعید احمد خانؒ کو یہیں و آسائش سے وحشت اور فقر و زہد سے رفیت تھی۔ سادگی اور زہد مولانا کی طبیعت ہانیہ بن گئی تھی۔ شروع زندگی میں اپنے گاؤں میں جو بیاس، کھانا اور معاشرت تھی، وہی آخر وقت تک برقرار رہی۔ وہی مونا چھوٹا بیاس، وہی سخت جوتا جو آپ کے گاؤں سے ہن کر آتا تھا۔ مدینہ منورہ میں چند سال پہلے تک

مولانا کی رہائش کچی مٹی کی بنی دیواروں کے سادہ سے مکان میں تھی۔ فرمایا کرتے تھے جسم کی بہت ساری بیماریاں جدید فیشن کی پختہ عمارتوں میں رہنے کی وجہ سے ہیں۔ مدینہ منورہ میں ہمارے گھر کی دیواریں مٹی کی ہیں اور تین چار فٹ چوڑی ہیں جو خود بخود سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں سرد رہتی ہیں۔ کھانا انتہائی سادہ تناول فرماتے۔ حکم و آسائش کے نقشوں سے بہت ذریت اور اسے بڑا فتنہ سمجھتے۔ فرماتے دشمنانِ اسلام نے سازش کے تحت ہمیں سادگی اور جفا کشی سے ہنا کر آرام طلب زندگی کا عادی بنا دیا ہے تاکہ ہم جہاد اور دین کی محنت کے قابل نہ ہیں۔

خوبصورت و عالی شان اور مزین مساجد میں جاتے تو مطلوب اور بخیدہ رہتے۔ یہاں (انگلینڈ میں) لوٹن اور برمنگھم میں مرکزی مساجد بننے سے پہلے عارضی طور پر نماز کے لیے سادہ سا ہاں بنا دیا گیا تھا۔ مولانا ان سادہ مساجد کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ فرمایا یہاں نماز میں خوب دل لگا ہے۔ کاش یہ مسجد ہمیشہ اسی طرح رہے گھر تم لوگ ہماری بات کہاں مانو گے۔ بھارت کی ایک سیتی میں لوگ دینی جامعہ کی شاندار عمارتیں دکھانے لے گئے۔ فرمایا تم میرے پاس مکمل رہاؤ، میں تمہیں اس سے بڑھ کر عالی شان عمارتیں دکھاؤں گا۔ مجھے تو یہ بتاؤ کہ طلباء میں تقویٰ کتنا ہنا ہے۔ اگر ایک وقت کا کھانا نہ طے کرنے طلباء کے میں رہیں گے؟ مولوی فاروق صاحب کراچی والوں کے یہاں دینی اجتماع اور پیٹ کے آپریشن کے سلسلے میں چند ہفتے رکنا پڑا تو خط لکھا جلدی سے بھاگ آؤ۔ جتنا کھاپی لیا، وہی بہت ہے۔ مجھے ان پیش ہے کہ ہاں کی آسائش و راحت کے نقصے ہمارے آدمی کو بیکار نہ ہیں۔

ایک بار ایک عرب ملک میں ایک ساتھی کا نزد و مدد بستر دیکھ کر فرمایا، آدمی بات امریکہ کی صحیح ہے۔ آدمی بات روں کی صحیح ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ بحمدہ میں نہیں آیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو مال دیا ہے، وہ عیش کرنے کے لیے نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس مال و دولت کے خرچ کے لیے آٹھ مصارف بنا دیے کہ یہاں خرچ کرو۔ جب مسلمان نے مال و دولت کو اپنے کھانے، کپڑے، سواری اور رہائش کے اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے پر کوادیا تو اس نے آٹھ لوگوں کا حق مارا۔ ان آٹھ کا ساتھی روں ہے کہ مال دار کا مال صرف اس کے عیش و راحت کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہے۔ روں کی سیکی آدمی بات صحیح ہے۔ آگے جو روں کہتا ہے کہ مال دار کا پیٹ پھاڑ کر، سر پھوڑ کر زبردستی چھین لو، اس کی یہ آدمی بات غلط ہے۔ امریکہ کی سیکی آدمی بات صحیح ہے کہ زبردستی مال چھین کر لینے کا حق نہیں ہے۔ امریکہ کی دوسری آدمی بات غلط ہے کہ انسان کو بھتنا مال ملے، سب کو اپنے عیش و عشرت پر خرچ کرو۔ فرمایا مسلمان کے مال کے خرچ کے غلط ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اس پر دو عذاب مسلط کر دیے یعنی ایک کیسو زم اور دوسرا ہے سرمایہ داری۔

علماء کرام کی قدر دانی و اکرام

آپ اہل علم اور طلباء کی بڑی قدر اور ان سے محبت فرماتے۔ ان سے ایسے گھمل جاتے گویا گھر کے اہل لوگ بھی ہوں۔ مولا نا کی خدمت میں تبلیغی کام کی نسبت سے جو علا پہنچتے، ان سے بہت جلد بے تکلف ہو جاتے۔ اس کی کوشش فرماتے کہ ان کی علمی ترقی بھی ہو، مطالعہ و تحقیق کی عادت پڑے۔ جن علماء کرام کو مطالعے کا عادی پاتے، ان کی خصوصی رعایت فرماتے اور با اوقات ان سے علمی تحقیق کا کام بھی لیتے۔ عام طور پر سفر و حضر میں مولا نا کے ساتھ کوئی ایسے عالم ضرور ہوتے جن کے ذمے مختلف احادیث و واقعات کی تجزیہ و تجوید و تاشیش لگاتے، ان کی محنت پر خوب ہوتے افزائی فرماتے، بعض اوقات خوش ہو کر انعام بھی دیتے۔ مکہ کرمانہ اور مدینہ منورہ قیام کے دوران جو عمرہ کے لیے آئے ہوئے علماء کی خصوصی دعویٰ تکررتے۔ حجج کے دنوں میں دعوت کا اہتمام عموماً جمع کے دن ہوتا۔ علماء کے لیے کھانے اہتمام سے تیار کرواتے۔ کھانے کی مجلس عملی مذاکرے کی مجلس بن جاتی۔ صحابہ کرام اور اکابر کے واقعات ناتے اور کوشش فرماتے کہ ان میں عوام پر دین کی محنت کا جذبہ پیدا ہو۔ فرماتے کہ امام کا اپنے نمازیوں سے ایسا دلی تعلق ہونا چاہئے جیسا خاندان ان کے سربراہ کا اپنی آں اولاد سے ہوتا ہے۔ صرف نمازوں پر حاکر امام کی ذمہ داری پوری نہیں ہو جاتی بلکہ نمازوں کی خبر گیری، بیمار ہو جائیں تو عیادت کرنا، ان کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنا، ان کے اپنی دنیاوی و معاشرتی مسائل کی فکر کرنا بھی امام کی ذمہ داری ہے۔ ان جماں میں علماء بے تکلفی سے اشکالات پیش کرتے اور مولا نا دلائل سے جواب مرحت فرماتے۔

تواضع اور کسر نفسی

حضرت مولا نا کی تواضع اور کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی تھیک بھی قبول فرماتے۔ اس دو ریش یہ چیز بالکل نایاب ہو گئی ہے۔ چند سال پہلے کی بات ہے، اندن تبلیغی مرکز کے خصوصی کمرے میں بندہ مطاقتات کے لیے پہنچا۔ دیکھا مولا نا کی پاکستانی جماعت کے رفقاء اور انگلینڈ کے متعدد اہل شوریٰ تشریف فرمائیں اور کوئی چیز پڑھی جا رہی ہے۔ سناؤ پڑھا کر کسی بیاض (کاپی) میں سے مبشرات پڑھے جا رہے ہیں یعنی کسی جماعت نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ خواب میں حضرت مولا نا کو حضور کے ہمراہ دیکھا وغیرہ وغیرہ۔ چند منٹ بعد بندہ نے عرض کیا حضرت آپ کی مجلس میں اس طرح مبشرات سنانا مناسب نہیں۔ آپ یہ مبشرات بعض بزرگوں کے لیے خلافاً کے لیے چھوڑ دیں۔ یہ بزرگ ائمہ سید ہے خواب دیکھتے ہیں اور انہیں چھاپ کر یہاں ہمیں اتنا میں ڈالتے

ہیں۔ سنانے ہے حضرت مولانا الیاسؒ نے دعا مگلی تھی اے اللہ ہمارے اس کام کو بشرات اور کرامات پر مت چلا۔ یہ سننا تھا کہ اسی وقت حضرت مولانا نے بیاض بند کر دی۔ فرمایا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان بشرات سے دل کو تقویت پہنچی ہے مگر یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے بلکہ زیادہ اہم ہے۔ اس سے کئی فتنے پیدا ہو سکتے ہیں اس لیے عمومی طور پر بشرات کے سننے سنانے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

اسی طرح ایک بار انگلینڈ کے سالانہ اجتماع کے اختتام پر ڈیز بری میں مختلف شہروں کی مساجد والی جماعتوں (روزانہ اڑھائی گھنٹے فارغ کرنے والے) اجنبی جمع تھے۔ ان میں حضرت مولانا نے بیان شروع فرمایا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا ہے میں اپنی قربانی کی مقدار کو بڑھانا چاہئے۔ روزانہ اڑھائی گھنٹے سے بڑھا کر آٹھ گھنٹے فارغ کرنے چاہئیں۔ بندہ بیان کے درمیان بول پڑا، حضرت یہ آپ رہبانتیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ اگر ایک شخص روزانہ آٹھ گھنٹے فارغ کر لے، اس کے ساتھ عصر سے اشراق تک جمعرات کا اجتماع، میئنے کے تین دن، سال کا چلہ، جماعتوں کی نصرت یہ سب ملا کر نصف سے زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ رہبانتی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے دل پر باخور رکھ کر سوچے اگر یہ اقعد ہمارے ساتھ بھرے مجھ میں پیش آتا تو ہمارا کیا رد عمل ہوتا؟ بندہ کم از کم اپنی بابت کہہ سکتا ہے کہ میرا نفس تو اسے برداشت نہ کرتا۔ نہ جانے کیا کہہ دیتا۔ مگر حضرت مولانا نے مجھے جیسے عمومی طالب علم کی بات توجہ سے کی اور قبول فرمائی۔ بعد میں مجھے اپنی اس حفاظت پر ختم نہادت دافوس ہوا کہ مجھے یہ ایکال تباہی میں عرض کرنا چاہئے تھے مگر وہ مولانا سعید احمد خان، کیا بے نقشی کی انتباہ ہے کہ پورے سکون و بشاشت سے اشکال سن رہے ہیں اور قبول فرمارہے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ کیا مولانا کے بعد اس کی مثالیں کیے گی؟

اس کوہ کن کی بات گئی کوہ کن کے ساتھ

آپ کی مجلس کے علمی منافع

آپ کی مجلس نہایت باوقار، فصحت آموز اور علمی منافع کی حامل ہوتی۔ آپ اکثر سکوت و تکلیف کی حالت میں ہوتے۔ مجلس لا یعنی پاتوں، سیاست، حالات حاضرہ پر تبصرہ، کسی فرد یا جماعت پر حرف گیری، ابتداء اور انتہا سے بالکل مزدہ ہوتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا کہ ایک روحانی مجلس ہے جس پر فرشتوں نے نورانی چادرتائی ہوئی ہے۔ رفتار کی علمی تربیت و ترقی کے لیے مولانا کا ایک خاص طرز یہ تھا کہ کبھی کبھی مجلس میں موجود علماء و طلباء سے سوالات فرماتے۔ اس طرح ان میں مطالعہ و تحقیق کا ذوق ابھارتے۔ اکابرین خصوصاً حضرت مولانا الیاسؒ کے بے شمار واقعات سنائے لیکن استشہاد قرآن و سنت اور حضرات صحابہؓ کے واقعات سے کرتے۔ آپ کی مجلس میں لوگ سوالات کرتے اور آپ

نہایت بیاشت سے ہر قسم کے سوالات کے جواب مرحت فرماتے۔

تبیخی جماعت میں حضرت مولانا ایسی شخصیت تھے کہ جن سے تبلیغ کے متعلق بھی آزادی سے سوالات کیے جا سکتے تھے۔ آپ نہایت بیاشت سے جواب مرحت فرماتے۔ بندہ نے عرض کیا بعض تبلیغ والے بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز اور جمادات کو امت کے اعمال حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ احادیث سے اس کا ثبوت ہے؟ فرمایا میری نظر سے نہیں گزر البتہ جد کے ہارے میں ایک روایت نظر سے گزری ہے کہ اللہ کے حضور میں اعمال پیش ہوتے ہیں۔ پھر بندہ نے عرض کیا کہ جماعت کے ایک شخص نے بیان کیا کہ جیہا الوداع میں حضور کے ارشاد فیصلے المشاہد العاب کے بعد صحابہ کرام وہیں سے دنیا بھر میں پھیل گئے اور لاکھوں صحابہ کرام میں سے صرف دس ہزار کی قبریں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ہیں۔ فرمایا وہاں سے تو ایک بھی نہیں گیا تھا۔ رہا قبروں کا معاملہ تو اول تو سارے صحابہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے نہیں تھے اور مقبروں کی تعداد کس نے گئی ہے؟ البتہ یہ سچ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام جہاد اور تجارت وغیرہ کے سفروں میں گئے اور دنیا بھر میں محفوظ ہیں۔

شہزادہ عیید ہے۔ مولانا رفقا کو ہدایات دے رہے ہیں کہ یہاں (مدینہ منورہ) کی عید کی نماز بالکل اول وقت میں ہوتی ہے۔ تمہیں تو شہبہ ہو گا کہ ابھی تو اشراق کا وقت بھی ہوا کہ نہیں اور نماز عیید ہو جائے گی اس لیے تجدید کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر اپنی اپنی گدک پر ہی بیٹھنے رہتا اور بختی بار امام عجیب رکے، تم بھی کہتے رہتا۔ (مدینہ منورہ میں بھی برادر زادہ کی تعداد فویا تیرہ ہوتی ہے) ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا، حضرت عیید کا مصانعی ثبوت نہیں ہے۔ فرمایا، میاں یہ مسئلہ تم اپنے ملکوں میں رکھو۔ یہاں تو مصانعی و معانقہ سے بھی آگے بہت کچھ ہو گا۔ (یعنی پیشانی اور شانوں کا بوس) وہ عجیب دن تھے۔ محفل پیر سے خانے کے دم سے پہر رونق رہتی۔ ساتھ ہی ایسا طلبی و عملی دعویٰ ماحول بنتا کہ چند دنوں میں انسان کو آخوند کی گلر پیدا ہو جاتی اور بقدر استعداد ہر شخص پر دین کی منت و دعوت کا رنگ چڑھاتا۔

اعتدال و جامعیت

آپ دین کے دوسرے شعبوں میں مشغول علم کی پوری قدر و مزارات فرماتے۔ ہر طبقے اور ہر شعبے سے متعلق علم و مشارکت سے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ بندوپاک کے کتنے ہی علماء و مشارک ہیں جن سے بندہ ہبھی باز حضرت مولانا کی مجلس میں متعارف ہوا۔ اسی طرح بندہ بہت سے ایسے علماء و مشارک کو جانتا ہے جو بوجوہ تبلیغ جماعت اور کام سے دور اور وحشت زدہ ہیں گروہ حضرت مولانا سعید احمد خان کو اللہ کا خصوصی مقرب بندہ اور ولی کامل بکھتے ہیں۔ حضرت مولانا کے اخلاق عالیہ و صفات جلیل کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں بھائی مولانا سعید

احمد خان کے بارے میں دورائیں نہیں ہو سکتیں۔ وہ اللہ کے مخصوص بندے اور کامل ولی ہیں۔ ان کی ہستی خدا کا خصوصی انعام ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کی وسعت قلبی کا یہ عالم تھا کہ اندن تشریف آوری کے موقع پر متعدد بار بندہ سے فرمایا، اہل حدیث، جماعت اسلامی اور بریلوی اکابر کے پاس ملاقات کے لیے لے چلو۔ پاکستان میں تبلیغی جماعت کی نقل بلکہ مقابلے پر مولوی الیاس قادری نے کچھ عرصے سے ایک سی تبلیغی جماعت شروع کر دی ہے۔ حضرت مولانا نے کئی بار ان سے ملاقات کا واقعہ سنایا۔ حضرت مولانا، مولوی الیاس قادری صاحب سے ملنے خود تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا کے مزاج میں عجیب جامیعت تھی۔ آپ کسی بھی دینی شبیہ کی نادری یا اس کی اہمیت کم کرنے کو برداشت نہیں فرماتے تھے۔ فرماتے اگر اخلاص ہوتا دین کا کوئی کام بھی چھوٹا نہیں ہے۔ ساتھیوں کے بیان میں اگر کوئی ایسی بات محسوس فرماتے تو فوراً تسبیح فرماتے۔ ایک بار ایک مولوی صاحب نے دعوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے غیر شوری طور پر علم یاد کر کے شبیہ کا اس طرح ذکر کر دیا جس سے ان کے دعوت سے کم تر ہونے کا پہلو نکل سکتا تھا۔ فوراً بنا کر فرمایا کہ بعض مقررین حضور ﷺ کی سیرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ کے فضائل میں حضرات انجیاء علیہم السلام سے تقابل کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر حضورؐ کی سیرت و فضیلت کے بیان میں کسی بھی نبی میں تقصی کا شاید بھی پیدا ہو تو اس کے یہ معنی ہوا کہ نعمۃ بالله ہمارے نبی ناقص نبیوں کے سردار و امام تھے۔ جانے کہ ہر نبی کا کمال و فضیلت ثابت کر کے پھر یہ ثابت کریں کہ ہمارے نبی ایسے کاظمین اور فضیلت مآب گروہ کے سردار اور امام ہیں۔ اسی طرح بعض مقررین دعوت کی اہمیت اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے علم یاد کر کی تقصیں متشرع ہوتی ہے۔ انہیں چاہئے کہ علم و ذکر کی پوری اہمیت و فضیلت بیان کریں پھر کہیں کہ ایسے اوصاف والے لوگ دعوت میں لگیں تو نور علیٰ فوراً ہو جائے گا۔ دعوت کے کام کے اصل حق دار تو یہی لوگ ہیں۔

حضرت مولانا جیسی جامِ الصفات ہستی کا انہجہ جانا امت کے لیے خخت اتنا و آزمائش ہے خصوصاً تبلیغی جماعت کے لیے۔ اب آہتا ہے کہ بعض محسوس ہونے لگا ہے کہ تبلیغی جماعت کے بعض ذمدادوں میں دین کے درسرے شعبوں کی بے قسمی پیدا ہو رہی ہے اور کسی قدر کام میں غلو بڑھ رہا ہے اور علماء کرام کی نادری روز افزود ہے۔ ایسے وقت میں مولانا جیسی دین کے ہر شبے کی قدر دا ان اور معتدل مزاج ہستی کا دنیا سے انہجہ جانا تبلیغی جماعت کا خخت نقصان ہے۔ یوں تو اس قحط الرجال کے دور میں جو بھی شخصیت اٹھتی ہے، اپنی جگہ خالی چھوڑ جاتی ہے۔ حضرت مولانا کی وفات سے تبلیغی جماعت کا ایک زریں دور نکم ہو گیا ہے۔

پروفیسر خالد ہمایوں کا مکتوب گرامی

لاہور

۱۱ اگست ۲۰۰۱ء

دریمختزم "الشريعة"

السلام عليكم

"الشريعة" باقاعدگی سے مل رہا ہے، بہت شکر یہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فہم دین میں مزید اضافہ فرمائے۔ "الشريعة" مواد اور پیش کش کے اعتبار سے بہت بلند ہو گیا ہے۔ سمجھیدہ فکری جریدے کے بھی نہیں نقش ہونے چاہئیں۔ یہ جو آپ نے دوسرے طبقہ بارے میں کافی مصلح پسندانہ روایہ رکھا ہوا ہے تو یہ امر قابل قسین ہے۔ اس کی آج بہت ضرورت ہے۔ اگست کے شمارے میں امریکی نائب وزیر خارجہ کے دورہ پاکستان پر آپ نے فکر انگیز اداری تحریر کیا ہے۔ عمارناصر کا مضمون "غیر منصوص مسائل کا حل" اس حوالے سے پسند خاطر ہوا کہ اس میں جدید ترین مسائل کا نہایت سلاست کے ساتھ دینی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔

دریمختزم! یوں تو ہمارا معاشرہ مسکھان بنتا ہوا ہے اور سب مسائل کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، لیکن میرے خیال میں اگر آپ دو مسلسلوں پر علماء اور وائش و روحضرات سے مسلسل کچھ لکھواتے رہیں تو بہت مفید ہو گا۔ ایک تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں جادو ٹونے کے اڑے گلی گلی میں محل گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے بے شمار گھر جاہ اور بر باد ہو گئے ہیں۔ تھوڑا عرصہ پہلے میں نے اُن دوی پر ایک نایاب بچے کی گفتگو سنی، وہ قرآن کا حافظ تھا۔ اس سے پوچھا گیا کیا تم پیدائشی طور پر نایاب ہو؟ تو اس نے جواب دیا میری نظر بالکل تھیک تھی۔ محلے کی کسی عورت نے اپنے بچے کی سحت یا بی بی کے لیے جادو نہ کروایا، اس کا اثر مجھ پر یوں پڑا کہ میری بیانی باتی رہی لیکن اس کا بچہ سحت یا باد ہو گیا۔ کئی سال سے میں خود بھی اپنے اڑات کا سامنا کر رہا ہوں۔ اس حوالے سے جو کچھ میں نے دیکھا اور سنایا، اس پر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ ہمارے معاشرے کو یہ کتنا اذیت ناک روگ لگا ہوا ہے لیکن کسی طرف سے کوئی آواز بلند نہیں ہو رہی۔ ہم کس قدر بے حس اور سنکدل ہو گئے ہیں۔ ہم تیزی سے زوال کی نشانیاں قبول کر رہے ہیں لیکن احساس نہیں۔

دوسرے امسکلہ پاکستان کے امیر طبقے کا ہے۔ میرا خیال ہے اسلام اجازت تو نہیں دیتا کہ طبقاتی منافرتوں پیدا کی جائے لیکن عملیاً یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ یہی ہے کہ چند نہایت با اختیار اور نہایت امیر طبقے ساری قوم کو بھیز بکریوں کی طرح ہائکٹے چلے جا رہے ہیں۔ اس میں لیکن نہیں کہ امیر طبقے میں کچھ خدا ترس لوگ بھی ہیں لیکن کیف تعداد ایسے لوگوں، ہی کی ہے جن کے دلوں اور دماغوں پر زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنے اور اپنے رہن کو زیادہ سے زیادہ پر ٹھیک ہنانے کا بھوت بری طرح سوار ہے۔ اس معاملے میں وابی، سنی، مقلد، غیر مقلد، شیعہ، سیکولر یا اسلام پسند کی کوئی تخصیص نہیں، الا ماشاء اللہ۔ تمام تاجر اور صنعت کار لوگ تقریباً ایک جیسی ذہنیت اور طرزِ عمل رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے حقوق اور مقادرات کے لیے اکٹھے میتھے، کھاتے پیتے اور منصوبے بناتے ہیں۔ یہ دیکھو رہے ہیں کہ نوجوان نسل کے لیے آگے بڑھنے کے راستے مدد و ہور ہے ہیں۔ خود کشان بڑھتی جا رہی ہیں۔ ڈکٹیوں کا تو کوئی شماری نہیں۔ کبھی کبھی کنالوں پر پھیلی ہوئی کوشیوں سے ڈاکو کی کمی سوتے ہیں، زیور، بانڈز اور قبیقی پارچ جات لے کر رہا فرار پکڑتے ہیں۔

دری محرم! مجھے تو فرقہ داریت کی بھڑکتی ہوئی آگ کے پیچے سرا اقتداء محرکات ہی نظر آتے ہیں۔ بالائی طبقوں کو پھیلتے ہوئے اٹھ پر بہت تشویش ہے۔ انہیں خطرہ رہتا ہے کہ کہیں یہ اٹھ بردار لوگ سیدھے سیدھے ان کی کوشیوں کے اندر آتے جائیں اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا وہ سوال ان کی زبانوں پر ہے، وہ کتنے یہ اتنی دولت کہاں سے لی ہے؟

دری محرم! آپ جانتے ہی ہوں گے کہ قرون اول کے مسلم معاشرے میں جب اونچے اونچے مکانات بننے لگے تھے اور لوگ ذرا بسا ہوتے زندگی برکرنے لگے تھے تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے کتنا احتجاج کیا تھا۔ میں نے ابھی جادو نے کاڑ کر کیا ہے، دیکھا جائے تو اس کا روبار کو بھی محکم کروانے والے ہی کی دولت مدد لوگ ہیں۔ انھی کی پالیسیوں کے نتیجے میں دولت چند ہزار گھروں میں مرکوز ہو گئی ہے اور باقی معاشرہ عک نظری، مکینگی، حسد اور کرہ سن کی آگ میں جل رہا ہے۔

میری تجویز ہے کہ "الشريعة" میں ایسی تحریر ہیں زیادہ شائع کریں جن میں ان طبعوں کو سمجھایا جائے کہ وہ دولت کے حصول کے ذریعہ بھی نمیکریں اور دولت کی نمائش سے بھی گریز کریں۔ حضرت مولا ناصر فراز صاحب نے حضرت میمی علیہ السلام کی خواب میں زیارت کا واقعہ لکھا ہے۔ میری ان سے انتاس ہے کہ وقت کی ضرورت یہ ہے کہ اگر وہ حضرت مسیح علیہ السلام پر کچھ لکھنا چاہے ہے، اس پر لکھیں کہ اس وقت جناب مسیح کو یہ کیوں کہنا پڑا تھا کہ میں بتاتا ہوں کہ تمہارے پیسوں میں کیا ہے اور گھروں میں کیا ہچکا کے آئے ہو۔ بعض علماء اس واقعہ سے حضرت میمی

میں السلام کی غیب دانی ثابت کرتے ہیں حالانکہ حضرت عیسیٰ کا مطلب یہ تھا کہ میں جانتا ہوں کہ جو حرام تمہارے پیوں میں ہے اور جو کچھ تم گھروں میں ذخیرہ کر کے آئے ہو۔ سبی بات اس طبقے کے لیے تکلیف و تحریک اور اسی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ کے درپے آزار ہو گئے تھے۔

دراز نقی کی معافی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی خدمت کے لیے اور زیادہ توفیق اور ہمت سے

نوازے۔

والسلام

خیر اندیش

خالد ہایلوں

اسٹرنٹ پروفیسر شعبہ پنجابی

بیونورشی اور سخنخانہ کالج، لاہور

اکابر علماء دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں

اجماع سنت و شریعت کے حوالے سے اکابر علماء دیوبند کے منتخب و اعاقات اور ذوق و اسلوب کو شیخ

الحمد لله حضرت مولانا محمد زکریا مجاہد دینی قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے اور ۱۲۰ صفحات کا یہ سالہ مکتبۃ الشیخ، ۳/۱۹۷۵ء، بہادر آباد، کراچی ۵ نے شائع کیا ہے۔

اپنے جبیب علیہ السلام سے ملیے

جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کے استاذ حدیث مولانا محمد عارف صاحب نے اس عنوان سے جناب

رسالت مآبیت کے ارشادات و تعلیمات اور سنن مبارک کا ایک خوب صورت انتخاب پیش کیا ہے جو جیسی سائز کے ایک سو سانچھے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی قیمت ۱۵ روپے ہے اور اسے حظیم اسمائیہ پاکستان کے شعبہ جہاد شیر نے شائع کیا ہے۔

ملک بھر کے علماء کرام و ائمہ مساجد سے اپیل نماز فجر میں قوت نازلہ کا اہتمام کجھے

محترمی علماء کرام و ائمہ مساجد
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گزارش ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اور امارتِ اسلامی افغانستان سمیت پورے عالم اسلام بالخصوص دینی طقوں کو عالمی کفر و استعمار بالخصوص امریکہ اور اس کے حواریوں کے معاذانہ طرزِ عمل کی وجہ سے در پیش گئیں صورت حال کے پیش نظر جناب رسالت مآب ﷺ کی سنت کے مطابق نماز فجر میں قوت نازلہ پڑھنے کا اہتمام فرمائیں اور عام دعاؤں میں بھی اپنے مظلوم بھائیوں اور مجاہدین کو مسلسل شریک رکھیں۔

قوت نازلہ

نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قوم کی حالت میں امام صاحبِ ید دعا بلند آواز سے پڑھیں اور مقدمی ہر جملہ پر آہستہ آہستہ مکہمیں۔

اللَّهُمَّ اهْدِنَا فِي مَنْ هَدَيْتُ وَعَاذِنَا فِي مَنْ غَافَيْتُ وَتَوَلَّنَا فِي مَنْ تَوَلَّيْتُ وَبَارِكْ
لَنَا فِي مَا أَغْطَيْتُ وَقِنَا شَرًّا مَا قَضَيْتُ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُفْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَعْزُزُ مَنْ
عَادَيْتُ وَلَا يَتَدَلَّ مَنْ وَالْيَتَ تَبَارَكَ رَبُّنَا وَتَعَالَى عَلَيْهِ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوَبُ إِلَيْكَ
اللَّهُمَّ انصُرِ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ ابْدِ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ انْصُرْ مَنْ
نَصَرَ دِينَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَأَخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِينَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَلَا تَجْعَلْنَا
مِنْهُمْ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْلِمِينَ الْمُسْتَعْذِفِينَ مِنْ أَهْلِ الْفَقَادَةِ وَكُشَّمِيرَ وَفَلَسْطِينَ

وَالْبَيْشَانِ وَمِنْ كُلِّ مَكَانٍ. اللَّهُمَّ اخْذُلِ الْكُفَّارَةَ وَالْهُنُودَ وَالْيَهُودَ وَالنَّصَارَى
وَالْمُشْرِكِينَ وَالْأَمْرِيَّكِيَّينَ وَمَنْ وَاللَّهُمَّ مِنَ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ . اللَّهُمَّ اشْدُدْ
وَطَائِكَ عَلَيْهِمْ . اللَّهُمَّ شَتِّيْ شَمْلَهُمْ . اللَّهُمَّ فَرِّقْ جَمْعَهُمْ . اللَّهُمَّ ذَرْ دِيَارَهُمْ . اللَّهُمَّ
زَلْزَلْ أَفْدَاهُمْ . اللَّهُمَّ فُلْ حَدَّهُمْ . اللَّهُمَّ حَذَّهُمْ أَخْذُهُمْ عَزِيزٌ مُقْتَدِرٌ وَأَنْزَلْ بِهِمْ نَاسَكَ
الْبَدْئِ لَا تَرُدُّهُمْ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ . وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَسُولِهِ وَخَلَقِهِ خَلِيقِهِ
مُحَمَّدٌ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

ترجمہ: اے اللہ، ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائیں کو تو نے بدایت دی، جن کو تو نے عافیت بخشی، اور جن کو تو
نے اپنا دوست ہنایا۔ جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے، اس میں برکت عطا فرم اور اپنی قضائے شر سے ہمیں محفوظ فرم، کیونکہ
تیراہی فیصلہ چلا ہے اور تیرے خلاف کسی کا فیصلہ نہیں چل سکتا۔ یا اللہ، جس کا تو دشمن ہو جائے، وہ عزت نہیں پاسکتا
اور جس کا تو دوست ہن جائے، وہ ذلیل نہیں ہو سکتا۔ تیری ڈات نہایت بلند اور با برکات ہے۔ ہم تیری مغفرت
پا جئے اور تیری طرف توبہ کرتے ہیں۔ اے اللہ، اسلام اور مسلمانوں کی نصرت فرم۔ اے اللہ، اسلام اور مسلمانوں کی
تائید فرم۔ اے اللہ، جو محمد ﷺ کے دین کی نصرت کرتے ہیں، ان کی نصرت فرم اور ہمیں بھی ان میں شامل فرم اور
جو محمد ﷺ کے دین کی نصرت نہیں کرتے، ان کی نصرت نہ فرم اور نہ ہمیں ان میں شامل فرم۔ اے اللہ، افغانستان،
کشمیر، فلسطین، چینیا اور ہر جگہ کے کمزور مسلمانوں کو توجیات عطا فرم۔ اے اللہ، کفار، یہود و نصاری، مشرکین اور
امریکیوں اور ان کا ساتھ دینے والے تمام کفار اور منافقین کو سوا فرمادے۔ اے اللہ، ان کو ختنی سے کچل دے۔ یا اللہ،
ان کی جمیعت کو منتشر اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دے۔ یا اللہ، ان کے گھروں کو برا باد کر دے۔ یا اللہ، ان کے پاؤں
اکھڑا دے۔ یا اللہ، ان کی دھار کو کند کر دے۔ یا اللہ، قدرت اور نلبے کے ساتھ ان کی گرفت فرم اور ان پر اپنا وہ
ذباب نازل فرم جس کو تو محروم قوم سے ہٹانا نہیں۔ اور اللہ کی رحمتیں ہوں اپنے رسول محمد ﷺ اور ان کی تمام آل اور
اصحاب پر۔

جامع اثار القرآن

آدم ہاؤن ۱-۱۱، نارتھ کراچی

فون: ۰۳۸۱۲۳

فیکس: ۰۹۹۸۷۵۲

والسلام

متذکر

(مولانا) فدا الرحمن در خواستی

امیر پاکستان شریعت کونسل

مولانا محمد عیسیٰ منصوری کی

تالیفات

بر صغیر کے دینی مدارس (نصاب و نظام کا ایک جائزہ) ☆

مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کلکش ☆

الحاج فضل کریم کی تبلیغی تقریبی ☆

مقالات منصوری (جلد اول) زیر طبع ☆

ناشر
دولتِ اسلامی فوود

71 Delafield House, Christian Street,
Commercial Road, London E1 (UK)

پاکستان میں ملنے کا پتہ
الشیعہ اکاوسٹو
پوسٹ بکس 331، گوجرانوالہ فون

اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا عظیم ادارہ

ابو عبیدہ اسلامک ٹرست (رجسٹرڈ) گوجرانوالہ

ومنی لٹریچر کی اشاعت

ابو عبیدہ ٹرست تبلیغ اسلام اور دینی لٹریچر کی اشاعت کا مشہور و معروف ادارہ ہے جو گزشتہ بائیس سال سے متحدہ عرب امارات، بادل عرب اور دیگر ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں دینی کتب کی با معاوضہ تقسیم کی خدمات انجام دے چکا ہے۔

جامعہ فاطمۃ الزہراءؑ

اجماد فاطمۃ الزہراءؑ کے تحت بچیوں کی با معاوضہ تعلیم و تربیت کا یہ انتظامیا ہے جس میں بیک وقت دینی اور دنیاوی تعلیم دینے کا اہتمام کیا گیا ہے اور مسافر طالبات کے لیے رہائش اور طعام کا انتظام بھی موجود ہے۔

لائبریری اس کے علاوہ ایک دینی لائبریری کا قیام عمل میں لا بیا گیا ہے جس میں سینکڑوں دینی کتب اور مختلف اہل علم کی تصنیف کردہ ۲۰۰۰ کے قریب تغیر مطالعہ کے لیے موجود ہیں۔

تعاون کی خصوصی اپیل آئیے، دینی کتب کی اشاعت اور منت تقسیم کا اور قرآن پاک کی تعلیم کو عام کرنے کے اس صدقہ جاریہ میں بھرپور تعاون کے ساتھ حصہ دار ہیں اور عتدال اللہ ماجور ہوں۔ جب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، معاونین کو برادر ثواب ملتا رہے گا۔

ال الحاج اقبال احمد خان (پیسر میں) ابو عبیدہ اسلامک ٹرست (رجسٹرڈ)

کپافتو منڈ، بازار اللہ والا، پوسٹ بکس 250، گوجرانوالہ۔ فون: 290597

اکاؤنٹ نمبر 3-0903، بیانیہ بک لیمنڈ، کمشنروڈ برائج، گوجرانوالہ

ذکرِ الہی کی برکات

قرآن مجید میں ہے: وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ "اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔"

نماز اللہ کے ذکر ہی کی ایک صورت ہے جس کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال کو اگر درجے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سب سے بڑا درجہ ذکر کا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے: مَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَنَى مِنْ عَذَابَ اللَّهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ۔ "اللہ کے عذاب سے بچانے والی ذکر سے بڑا کروئی چیز نہیں"۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ کا فرمان ہے: إِنَّا إِلَيْهَا الْدِينَ آمَنُوا أَذْكُرُوا اللَّهَ وَذَكَرًا كَثِيرًا (آیت ۲۳) "اے ایمان والو، اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔" سورۃ الانفال میں فرمایا ہوا ذکر کرواللہ سَخِيرًا لِعَذَابِكُمْ تُفْلِحُونَ (آیت ۲۵) "لوگو، اللہ کا کثرت ذکر کیا کروتا کر تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔"

یہ سانی ذکر ہے جس میں قرآن کی تلاوت، تسبیحات، استغفار اور حمد و شناو غیرہ شامل ہیں اور یہ ذکر کی عام صورت ہے۔ اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کر کے اس کا مشکرا دا کرنا قبلی ذکر ہے۔ صحنِ حضین کی ایک روایت میں ہے کہ کل مطبع اللہ فہو ذا کر۔ "ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لا ہوا ہے، وہ اللہ کا ذکر کرنے والا ہے"۔ یعنی ہر نیکی کا کام انجام دینے والا آدمی ذا کر ہے۔ تاہم آسان ذکر زبان سے اللہ کی حمد و شنایاں کرنا ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، یا رسول اللہ، کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ان تفارق الدنیا و لسانک رطب من ذکر اللہ۔ "تو ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو کر تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔" ایک موقع پر آپ علیہ السلام سفر میں جا رہے تھے کہ سامنے جہدان نامی پہاڑ آیا۔ آپ نے فرمایا: سبورو اہذا جہدان سبق المسفر دون۔ "لوگو، چلتے جاؤ۔ یہ جہدان پہاڑ ہے۔ اور مُفَرِّد لوگ سبقت لے گئے۔" پہاڑ کا ذکر آپ نے اس لیے کیا کہ پہاڑ اور شجر و جمیر ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی، حضرت امفوہُ دون کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، الذکر وون اللہ سَخِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ یعنی اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

الشريعة الکادمی کنگری والا گوجرانوالہ

بحمد اللہ تعالیٰ الشريعة الکادمی گوجرانوالہ کے تہبہ خانے میں مسجد خدیجۃ الکبیری کے حصے میں قصہ و قتل نماز باجماعت اور صبح و شام مقامی بچوں کی قرآن کریم ناظرہ کی کاس کے علاوہ اکادمی کے حصے میں علماء کرام و طلبہ کے لیے انگلش لینگوژیج کلاس، سکول اور کالج کے طلبہ کے لیے عربی و اسلامیات کی تیاری اور عربی گیر کے ساتھ ترجمہ قرآن کریم کی کامیابی جاری ہے۔
اس کے ساتھ ساتھ الشريعة فرنگی ڈپنسری سین آئندھ سے گیارہ اور شام ساز میں چار سے ساڑھے چھ بیجتک کام کر رہی ہے جس سے اب تک کم و بیش ۳۰۰۰ مریض مستفید ہو چکے ہیں۔

رمضان المبارک کے بعد نئے تعلیمی سال کے پروگرام کے آغاز کے لیے پہلی منزل پر مسجد خدیجۃ الکبیری کے مین بال اور درستہ الہانت اور لا ہیری کے دو سعیں ہاؤں کی تعمیر کے علاوہ تہبہ خانے کے باقی ماندہ حصے کی تیاری انتہائی ضروری ہے جس کے لیے تعمیری کام کا اسی ماہ کے دوران میں آغاز کیا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اصحاب خبر سے گزارش ہے کہ اس کا رخیر میں ہمارا تھوڑا بیکمیں اور نقد رقم یا سامان تعمیر کی صورت میں عملی شرکت فرمائ کر ضروری تعمیری کام کی برداشت تجیل میں معاونت کریں۔

تعاون کے لیے

الشريعة کے اکاؤنٹ نمبر 1260 جیب بینک لہور، بازار تھانے والا گوجرانوالہ میں برادرست رقم بیکو گیمیں یا
ٹھانہ صدر پیڈی ایئر پلٹشائر الشريعة الکادمی گوجرانوالہ سے
(پوسٹ بکس 331، فون 2196663 پر) رابطہ قائم کریں۔